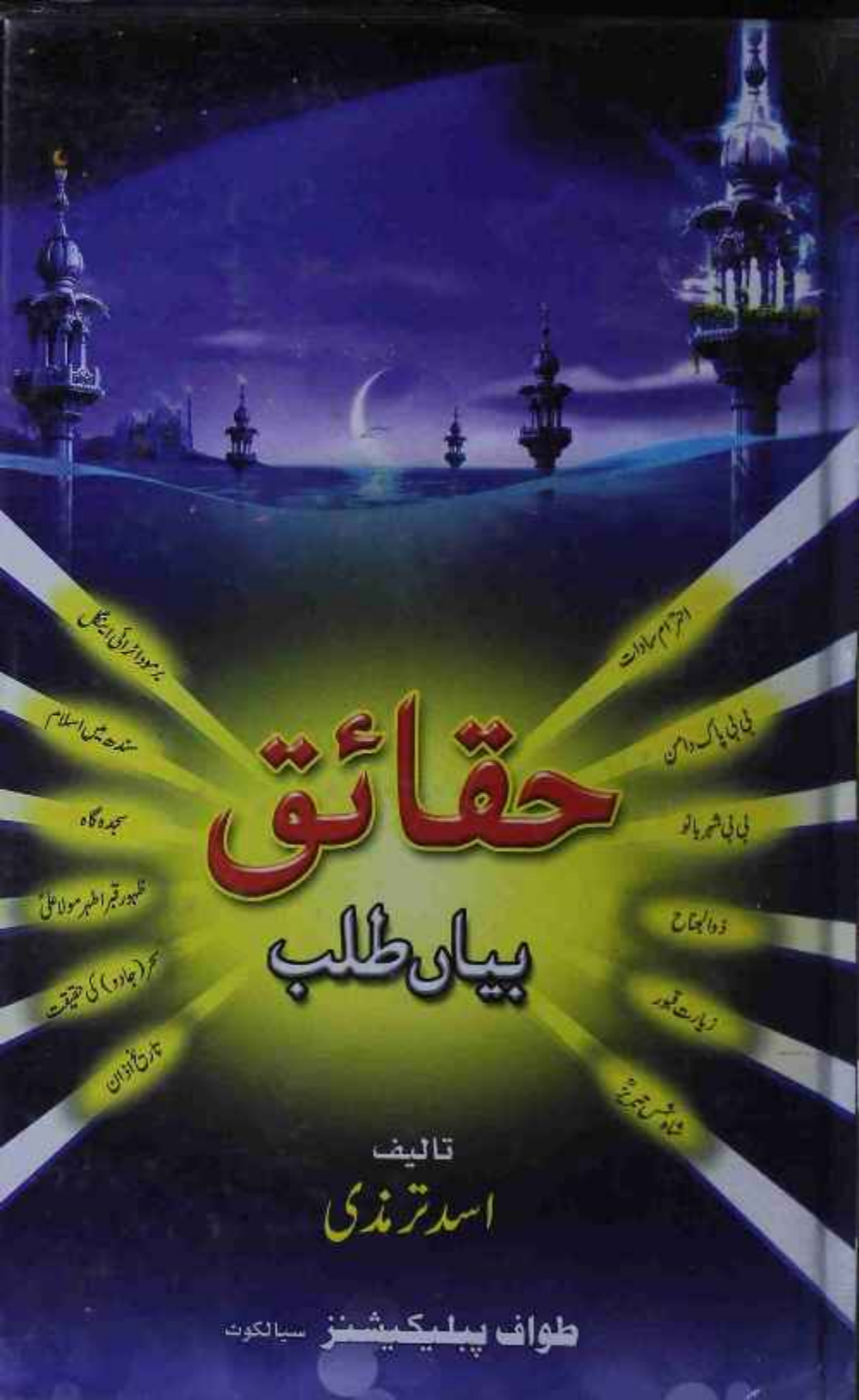

حقائق

بیاں طلب

سجدہ گاہ

ظہور قبر اطہر مولا علی

سحر (جادو) کی حقیقت

احترام سادات

بی بی پاک دامن

بی بی شہربانو

ذوالجناح

زیارت قبور

تالیف

اسد ترمذی

طواف پبلیکیشنز سیالکوٹ

حقائق بیاں طلب

خطیب العصر

سید اسد عباس ترمذی ایڈووکیٹ

M.A, L.L.B, C.C.I.L

0333-8224638

جملہ حقوق محفوظ ہیں

پروڈکشن منیجر	:	ڈاکٹر سید دبیر الحسنین ترمذی
مارکیٹنگ	:	عبدالماجد
ناشر	:	طواف پبلی کیشنز سیالکوٹ
سن اشاعت	:	2010ء
تعداد اشاعت	:	1000
قیمت	:	150

اسٹاکسٹ: ضامن بک ڈپو کربلا گامے شاہ لاہور

افتخار بک ڈپو اسلام پورہ لاہور

لاہور بک میلہ سیالکوٹ

انتساب

میرے والد محترم ڈاکٹر سید صابر حسین ترمذی مرحوم کے نام جن کا وجود تقریباً نصف صدی تک مخلوق خُدا کی قلبی و جسمانی مسیحائی کا کام سرانجام دیتا رہا۔

اعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم

بسم اللّٰه الرّحمٰن الرّحيم

الحمد للّٰه فاطر السماوات والارضين، خالق فاطمة الزهراء سيدة نساء العالمين، والصلاة والسلام على أبيها محمد الأمين، سيد الانبياء والمرسلين، حبيب اللّٰه وخاتم النبيين، وعلى بعلها امير المومنين على سيدالاوصياء وامام المتقين، وعلى اولادهما الأئمة الميامين أهل البيت الطاهرين واللعن الدائم على أعدائهم ومنكرى فضائلهم من بدء الخلق الى قيام يوم الدين قال اللّٰه تعالىٰ فى محكم كتابه الكريم ومبرم خطابه العظيم انما يريد اللّٰه ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطاهركم تطهيرا.

وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم.

لوكان الحسن شخصا لكان فاطمه بل هى أعظم. انبتى خير اهل الارض عنصرا وشرفاوكرما (فرائد اسمطين)

فہرست

پیش لفظ 6

احترام سادات 9

سید زادی کا نکاح 29

بیبیاں پاک دامناں (لاہور) 41

سندھ میں اسلام 52

سجدہ گاہ 59

برمودا ٹرائی اینگل کی سریت 64

تاریخ اذان 72

ظہور قبر اطہر مولا علی علیہ السلام 82

ذوالجناح 89

زیارت قبور اور فاتحہ 103

بی بی شہر بانو (سلام اللہ علیہا) 110

حضرت شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کون 119

سحر (جادو) کی حقیقت 125

پیش لفظ

تمام حمد وثنا اس خدائے لم یزل کے لیے جو خالق محمدؐ وآل محمدؐ ہے۔ جو ازلی ہے اور جو ابدی ہے جسے نہ کبھی اونگھ آتی ہے نہ نیند وہ اس وقت سے ہے جب وقت کا کوئی تصور نہ تھا لاکھوں درود سلام ہوں اس کی پاک و پاکیزہ خلقت پر جس کے نور کو اللہ نے سب سے پہلے خلق کیا اور سب سے آخر پہ عالمین کی ہدایت کے لیے بھیجا کروڑوں سلام ہوں اس بزرگ و برتر نور اول کی پاک و پاکیزہ آل پر جو اسکی اہل بیت کہلائی۔ اور جسے اللہ نے ہر رجس ونجاست سے پاک وطاہر رکھا اور جسے خود ختمی مرتبت نے سفینہ نجات قرار دے کر اپنی امت کو بتایا کہ ان کے ساتھ تمسک باعث نجات اخروی ہے۔

قارئین محترم..... آپ نے جس طرح راقم کی کتابوں کو پذیرائی بخشی اس کے لیے بارگاہ رب العزت میں شکر گزار ہوں کہ جس نے احقر کی کاوش کو قبولیت کے ساتھ مقبولیت کی بھی سند عطا فرمائی۔ جن علاقوں کے ناموں سے بھی واقفیت نہیں رکھتا الحمد للہ ان جگہوں پہ بھی میری کتابیں (الحمد کی کرن، نظریہ ارتقاء اور اسلام) بہت شوق سے پڑھی جارہی ہیں خصوصاً بیرون ممالک قارئین نے ٹیلی فون کے ذریعے احقر کی حوصلہ افزائی فرمائی، اور میرے انداز تحریر کو پسند فرمایا۔ کتاب ''الحمد کی کرن'' میں احقر نے جناب سیدہ فاطمۃ الزہرہؑ کا تعارف قرآن وحدیث اور ادیان عالم کی مذہبی کتب سے کروایا۔ اس حوالے سے مختلف مکاتب فکر سے تعلق سے رکھنے والے افراد نے انتہائی پسندیدگی کا اظہار کیا، اور میری اس کوشش کو بھرپور طریقے سے سراہا۔

یہ سب تمہارا کرم کے آقا

اپنی یہ کتاب ''حقائق بیان طلب'' کے عنوان سے جلد اوّل قارئین محترم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اس کتاب میں مومنین کی خواہش پر تاریخ اسلام سے متعلق مختلف غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اگر دیکھا جائے تو ہر موضوع پر ایک ضخیم کتاب ترتیب دی جا سکتی تھی لیکن کوشش کی ہے کہ ہر موضوع پر مختصر مگر جامع بحث کی جائے تا کہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے۔ اس کتاب کا مطالعہ یقیناً اہل ایمان کو تاریخ کے بے شمار گوشوں سے روشناس کرائے گا۔

احسان ناشناسی ہوگی اگر اظہار تشکر کرتے ہوئے

قبلہ غلام عباس نقوی ڈسکہ اور اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر سید دبیر الحسنین ترمذی کے ناموں سے صرف نظر کیا جائے جن کی معاونت کے بغیر تالیف کا یہ عمل سہل نہ تھا۔

انشاءاللہ عنقریب اپنی دیگر زیر تحریر کتب آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ اگر اس کتاب میں کہیں لغزش یا خطا پائیں تو براہ کرم اصلاح فرمائیں۔ بندہ ناچیز نکتہ چینی کے قابل نہیں ہے بلکہ از سر تا پا خطا کار ہے اور محض بے لیاقت اور بے استعداد ہے۔

احقر سید اسد عباس ترمذی ایڈووکیٹ

اللّٰھمّ صلِّ علیٰ
محمّدٍ وّآلِ محمّد

احترام سادات

سیادت:

سیادت کے لغوی معنی سرداری، بزرگی اور حکومت کے ہیں اور اس صفت سے متصف ہونے والے کو سید کہتے ہیں۔ ایک ذاتی اوصاف کی وجہ سے قوم یا ملک کا سردار ہو جانا مثلاً حضرت عبدالمطلب اور ان کے آباؤ اجداد جنہوں نے ذاتی اوصاف کی بناء پر عربوں سے اپنی سیادت تسلیم کروا لی اور سید البطحا کا لقب پایا۔

پاک و ہند میں اصطلاحاً سیادت کی صفت صرف بنی فاطمہ کے لیے مخصوص ہے۔ لفظ سید سے عرفاً اولاد رسول یعنی آل محمد ہی مراد لیے جاتے ہیں۔ جو حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کی نسل سے ہیں۔ جن پر صدقہ حرام ہے۔ کسی دوسرے کے لیے اس طرح خطاب کرنا ثابت نہیں ہے۔ امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا گیا کہ آل رسول سے کون مراد ہیں۔ فرمایا جن میں رسول خدا کے لیے نکاح کرنا حرام ہے۔

نسلی امتیاز:

بعض نافہم اور بدطینت لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ دوسروں میں کوئی ایسا وصف دیکھتے ہیں جو ان میں نہیں تو وہ اس امتیازی وصف یا فضیلت کو ہیچ ثابت کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں اور تعصب کی بناء پر قرآن و احادیث نبوی کو پس پشت ڈال کر اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ چودہ صدیوں سے بدخصلت افراد خاندان رسالت کے نسبی و ذاتی فضائل

پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام میں حسب نسب کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ اسلام مساوات کا علمبردار ہے۔ صرف انسان اچھے اعمال ہی سے فضیلت حاصل کر سکتا ہے جیسا کہ ایک امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے ایک دفعہ بتقریب عید میلاد النبی جنگ فورم کے تحت ''اسلام کا نظام عدل اور موجودہ عدالتی نظام کے موضوع پر لیکچر دیتے ہوئے کہا:

''آج انسان کی سب سے بڑی ضرورت معتدل اور عادلانہ نظام ہے۔ سب سے بڑی ناانصافی انسانوں کے درمیان اونچ نیچ پیدا کرنا ہے۔ انسانوں میں طبقہ بندی صرف ہندوؤں میں ہی نہیں بلکہ ہمارے ہاں بھی ہے۔ اگر ادھر برہمن ہے تو ادھر سیدزادہ ادھر شودر ہے تو ادھر مصلی۔ سیدزادہ کردار کے لحاظ سے کتنا ہی گرا ہوا کیوں نہ ہو وہ پیدائشی طور پر خود کو اونچا سمجھتا ہے جبکہ شرف انسانیت ان پیمانوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ اگر ایک جرنیل ہے اور ایک سپاہی تو یہ انتظامی معاملہ ہے شرف انسانیت کا پیمانہ نہیں۔''

موصوف نے عظمت سادات کو برہمنیت سے تشبیہ دے کر اپنی فکری کوتاہی کو اجاگر کرنے اور سیدھے سادے لوگوں کو گمراہ کرنے کی مذموم کوشش کی۔

حالانکہ اہل علم حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ چودہ صدیاں بیت گئیں کس دور حکومت میں سادات کی عزت و توقیر کے لیے کوئی خاص قانون یا خاص شق وضع کی گئی یا کسی عہد میں مسلم حکمرانوں کی طرف سے سیدزادوں کو کچھ قانونی مراعات حاصل ہوئی ہیں یا موجودہ نظام عدالت میں سیدزادوں کے لیے کوئی خاص ایکٹ جاری ہوا ہو۔ عدالتوں میں کسی سیدزادے کو کرسی پیش ہوتے دیکھا ہو۔ بلکہ تاریخ میں خاندان سادات سے بڑھ کر کوئی ستم رسیدہ نہیں ہے۔ بنی امیہ و بنی عباسیہ نے اُن پر اتنے مظالم ڈھائے کہ یہ ہجرت پر مجبور ہوئے آج اگر ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ تو ان کے تقویٰ کی وجہ سے

مسلم معاشرہ میں اگر کسی سیدزادے یا پیرزادے کو قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو یہ کہاں کی سوشل ان جسٹس (معاشرتی ناانصافی) ہے (Soical injustice) استاد کا احترام کرنے' ماں باپ کی تعظیم کرنے' پیش امام کی عزت کرنے' حاکم یا کمانڈر کی تعظیم (Respect) کرنے سے کسی سوشل جسٹس کو نقصان نہیں پہنچتا اور نہ ہی مساوات اسلامی کو دھچکا لگتا ہے بلکہ معاشرہ میں توازن و ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اور اسلام نے جس مساوات پر زور دیا ہے وہ معاشرہ میں حقوق کی یکسانیت اور پست لوگوں کو ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام پست لوگوں کو بلند کرنا چاہتا ہے نہ کہ بلند درجہ کو پست۔ اسلام کی منشا ہرگز یہ نہیں کہ بلند طبقہ افراد کو گرا کر پست طبقہ کے برابر کر دیا جائے ورنہ معمولی سمجھ کا انسان بھی یہ جانتا ہے کہ جاہل عالم کی، نابینا بینا کے، حرام حلال کے، باطل حق کے، تاریکی روشنی کے اور نیک بد کے برابر قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ خداوند عالم نے اشیاء عالم اور نفوس انسانیہ کو برابر خلق نہیں کیا یعنی ہر ایک جنس کو دوسری جنس اور ہر نوع کو دوسری نوع اور ہر فرد کو دوسرے فرد پر بعض امور میں فضیلت دی ہے۔ جمادات نباتات حیوانات تمام طبقوں میں خداتعالیٰ نے فطری قانون فضیلت ودیعت فرمایا ہے یعنی بخر زمین کم تر ہے۔ زرخیز زمین برتر ہے۔ لوہا پیتل چاندی سونا زمین سے نکلتے ہیں لیکن سونا پیتل سے افضل ہے۔ کوئلہ اور ہیرا ایک مقام سے نکلتے ہیں لیکن ہیرا رکھنے کے لائق ہے۔ کوئلہ جلنے کے لائق ہے۔ آپ پتھروں کی اقسام دیکھ لیں اللہ نے پتھروں کو ایک دوسرے سے افضل خلق کیا ہے۔ ایک پتھر سے عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں۔ ایک تاج شاہی میں جڑنے لائق ہے۔ اگر کوئی نافہم یہ کہہ دے کہ دونوں مساوی ہیں تو جوہری اس کو جاہل کا خطاب دیں گے۔ اسی طرح نباتات اپنے اوصاف فطری کی بناء پر ایک دوسرے سے افضل ہیں۔ گندم جوار سے اوصاف میں افضل ہے۔ سیب ناشپاتی سے۔ غرض کہ ایک جنس دوسری جنس سے افضل یا کم تر ہے اور جہاں تک حیوانات کا تعلق ہے بلحاظ نوعیت ایک نوع دوسری نوع سے جدا ہے۔ حیوانات (Animal) کی ہر نوع گھوڑا بھینس گدھا بکری بیل وغیرہ میں متعدد نسلیں اعلیٰ اور کم تر پائی جاتی ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے نسلی امتیاز سے محروم رہے۔ اللہ نے جیسے ہر جنس کو دوسری جنس اور ہر نوع کو دوسری نوع میں نسلی امتیاز قائم رکھا ہے۔ اسی طرح ایک فرد کو دوسرے فرد، ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر بعض امور میں فضیلت دی ہے حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین میں یہ سلسلہ فاضل و مفضول کا قائم رکھا چنانچہ فرمان ایزدی ہوا۔ سورہ حجرات "اے انسانوں ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو ہم نے شعبوں اور قبیلوں میں پہچان کے لیے تقسیم کیا۔ یقیناً تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ مکرم وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ بے شک خدا جاننے والا اور بڑا خبر رکھنے والا ہے۔

اگر کوئی افضل ہے تو تقویٰ کی وجہ سے علیؑ افضل تقویٰ کی وجہ سے حسینؑ افضل تقویٰ کی وجہ

سے جب فضیلت کا معیار اسلام میں تقویٰ ہے تو پھر زیادہ عمر کو فضیلت قرار دے کر خلافت پر قبضہ کیوں۔

یعنی اللہ نے قبیلوں میں تقسیم پہچان کے لیے کیا اور معیار فضیلت تقوی کو قرار دیا لہٰذا اسی معیار پر اس کو جو افضل نظر آئے ان کو چن لیا لہٰذا ارشاد خداوندی ہوا۔

ان اللہ اصطفے آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علی العلمین۔ ذریتھا بعضھا من بعض. (آل عمران)

بیشک اللہ نے آدم اور نوح اور ال ابراہیم وآل عمران کو تمام عالمین پر چن لیا جو ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔

آیت میں دو نبیوں اور دو نبیوں کی اولاد کا ذکر ہے یعنی آل ابراہیم اور آل عمران۔ بعض لوگوں نے آل عمران کی تشریح یہ کی ہے کہ آیت میں جس عمران کا ذکر ہے وہ اسرائیلی عمران ہیں ایک عمران حضرت موسیٰ کے والد اور ایک حضرت مریم کے والد جبکہ یہ دونوں اسرائیلی عمران آل ابراہیم ہیں تو پھر سید الانبیاء کی اولاد کا شرف کدھر جائے گا جس کی آل پر درود وارد ہو۔ صدقہ حرام قرار دیا گیا لہٰذا پتہ چلا کہ اگر اس آیت سے مراد اسرائیلی عمران لیے جائیں تو آیت بے معنی ہو گی لہٰذا اس عمران سے مراد وہ عمران ہے جس کی نسل بسلسلہ نسب قیامت تک باقی رہے گی بلکہ یہاں یہ بنی اسرائیل کے عمران نہیں بلکہ یہاں بنی اسماعیل کے عمران بلقب ابوطالب مطلبی وہاشمی ہیں جن کی نسل قیامت تک رہے گی اور جو آل محمد اور سادات فاطمی کہلاتے ہیں۔ انہی کی اولاد پر صدقہ حرام ہے اور انہی کی آل پر درود ہے کیونکہ ابوطالب (عمران) کی آل ہی آل رسولؐ ہے۔

حسب ونسب کی فضیلت:

جہاں تک لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حسب نسب کا امتیاز کچھ معنی نہیں رکھتا تو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے طیب و طاہر نسب پر فخر فرمایا ہے چنانچہ فرمان نبوی ہے کہ میں محمد ابن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ تحقیق خداتعالیٰ نے تمام مخلوق کو خلق فرمایا تو مجھ کو ان سے بہتر بنایا پھر ان کے فرقے بنائے تو مجھ کو بہتر فرقہ میں بنایا پھر ان کے قبیلے بنائے تو مجھ کو بہتر قبیلے میں پیدا کیا پھر جب ان کے گھرانے بنائے تو مجھے بہتر گھرانے میں بھیجا پس میں تم میں بہتر گھرانے والا ہوں اور سب سے بہتر

وجود ہوں پھر فرمایا عرب میں بہترین مضر ہیں اور بنی مضر میں بہترین قریش اور بنی قریش میں عبدمناف ہیں۔عبدمناف میں ہاشم اور بنی ہاشم میں بہترین عبدالمطلب ہیں۔خدا کی قسم جب سے آدم پیدا ہوئے ہیں جب سے نسل آدم دوفرقوں میں جدا ہوئی ہے تو میں بہتر فرقہ میں ودیعت ہوا ہوں۔(کتاب الشہاب الخصائص الکبریٰ السیوطی۔تاریخ ابوالفدا۔کنزالعمال جلد 6 ص 104 البرہان)

پھر حضور ﷺ نے فرمایا:

کل حسب و نسب ینقطع یوم القیامة الاحسبی و نسبی.

کہ قیامت کے دن پھر نسب وحسب قطع ہو جائے گا مگر میرا حسب ونسب قطع نہ ہوگا۔

(صواعق محرقہ)

علامہ مجلسی علیہ رحمہ نے بحار ہشتم میں ایک حدیث لکھی ہے جس میں مولاعلی نے مسجد نبوی میں شیخین کے دور خلافت میں مہاجر وانصار کے مجمع میں اپنے فضائل بیان فرمائے اور بتایا کہ سب کو عزت اور شرف حضور کے صدقے میں ملا ہے اور کیا مجھ سے بڑھ کر حضور کے قریب کوئی ہے۔سب نے کہا نہیں تو مولا نے فرمایا حضور ﷺ نے جس حسب نسب کے بارے میں کہا ہے کہ وہ قیامت کے دن قطع نہیں ہوگا اس سے مراد میرا حسب نسب ہے یا کسی اور کا سب نے حلفاً کہاں آپ کا پھر مولاعلی نے فرمایا۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر ایک کا حسب ونسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے حسب ونسب کے اور قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا۔ان کے باپوں کا نام نہیں پکارا جائے گا تاکہ ولد الزنا لوگوں کی عیب پوشی ہو جائے مگر علی و اولاد علی کو پکارتے وقت ان کے باپوں کے نام سے پکارا جائے گا کیوں یہی صحیح النسب صحیح الولادۃ ہیں۔

چنانچہ آیات مذکورہ اور احادیث مذکورہ ثابت ہے کہ خداوند عالم نے قبائل وشعوب یعنی خاندان وگھرانہ اپنی منشاء کے مطابق بنائے اور رسول اللہ کی نسل کو تمام نسلوں سے افضل بنایا چنانچہ آپ کی نسل کا تاقیام قیامت تمام دنیا کی قبائل واقوام سے افضل ہے۔

اولاد علی ہی اولاد نبی ہے:

فریقین کی بکثرت روایات میں وارد ہوا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔

ان الله جعل ذریتة کل نبی فی صلبه وجعل ذریتی فی صلب علی ابن ابی طالب. (الشرف المویڈ بلهانی. وصواعق محرقے).

خداوندعالم نے ہر نبی کی اولاد اس کی پشت سے قرار دی لیکن میری ذریت علی ابن ابی طالب کے صلب میں رکھی۔

صواعق محرقہ میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ان الفاظ میں بھی موجود ہے۔

ہر عورت کی اولاد اپنے پدری رشتہ داروں کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ سوائے حضرت فاطمہؑ کی اولاد کے کہ میں (محمد) ان کا سرپرست پدری رشتہ دار اور باپ ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے متعدد دفعہ آقا حسنؑ و حسینؑ کو ابن (فرزند) کے لفظ سے یاد کیا ہے جیسا کہ امام حسنؑ کے بارے فرمایا۔ ابنی ہذا سید میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ (صواعق محرقہ)۔ آیہ مباہلہ میں بھی حسن و حسین کو رسول خدا کے بیٹے قرار دیا گیا ہے۔

ایک مرتبہ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے حضرت امام رضا سے اس بارے دریافت کیا کہ بیٹی کی اولاد بھی بمنزلہ حقیقی اولاد ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے لیے یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

ومن ذریته داؤد وسلیمن ویحییٰ و عیسیٰ والیاس. (سورہ انعام پ9 ع14)

اس آیہ مبارکہ میں حضرت عیسیٰ کو ذریت ابراہیم قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے ان کا یہ انتساب والدہ ماجدہ کی طرف سے ہے۔ اس دلیل پر مامون جیسا فاضل عربیت بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

محبت آل رسول لازم ہے:

ارشاد خداوندی ہے کہ قل لاء سلکم علیه اجراً الالمودة فی القربی. (سورہ شوریٰ پ 24 ع 4) یہ آیہ مودۃ محبت آل محمد کے لازم ہونے پر بطور نص صریح دلالت کرتی ہے اگرچہ اسکا ظاہری نزول حضرات معصومین کے حق میں ہے مگر بالتبع اس میں تمام سادات کرام داخل ہیں۔ مولوی حکیم سید احمد شاہ نے اپنی کتاب مناقب الفاخرہ فی العترۃ الطاہرہ پر بحوالہ کتاب نورالابرار لکھا ہے کہ شیخ شبلنجی نے کہا کہ میں اپنے سردار علی خاص سے سنا ہے کہ منجملہ حقوق سادات فاطمی ہم پر فرض ہیں کہ قربان کریں ہم اپنی روحیں سادات فاطمی پر بباعث شامل ہونے گوشت وخون

تبرک رسول خدا کہ ان میں شریک ہے۔ رسول اللہ کے گوشت اور خون کا حصہ ہے اور جزو کی تعظیم کا حکم کل کی تعظیم وتکریم کے مترادف ہے اور عزت جزو بعد وفات رسول اللہ کے مثل عزت عزت جزو زندہ رسول اللہ کے برابر ہے۔

اور فرمایا بعض علماء نے حقوق سادات کے متعلق ہمارے ذمے یہ فرمایا کہ اختیار کریں ہم خوشنودی سادات کی اپنی خواہشات کے مقابلہ میں گو یا سلسلہ نسب ان کا رسول اللہ سے دور کا ہو مگر ہمارا فرض ہے کہ مسادات کی تعظیم وتکریم کریں۔

آل رسول اور ان کی محبت وتکریم کے متعلق احادیث حد شمار سے باہر ہیں۔ تبرک کے طور پر چند یہاں پر لکھی جارہی ہیں۔

من مات علی حب آل محمد مات شهيد.

جو شخص آل محمد کی محبت میں مرے شہادت کی موت مرتا ہے۔

من مات علی حب آل محمد مات مغفوراً

جو آل محمد کی محبت پر مرے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

جو شخص آل محمد کے ساتھ بغض رکھے حضور نے فرمایا وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا اور بروز قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا۔ رحمت خدا سے مایوس ہے (صواعق محرقہ) نیز تفسیر کشاف ج 3 پر ہے کہ من مات علیٰ بغض آل محمد مات کافراً۔ جو شخص بغض آل محمد میں مرے وہ کفر کی موت مرتا ہے اور ایک جگہ فرمایا کہ! میری اہل بیت سے بغض رکھنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

من لایحضرہ الفقیہ میں جناب امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ جب قیامت کا روز ہو گا تو جناب رسالت مآب کی طرف سے ندا آئے گی جس جس آدمی کا مجھ پر احسان ہے وہ مجھ سے آ کر اس کا عوض لے لے۔ لوگ عرض کریں گے ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہمارا آپ پر کس طرح احسان ہو سکتا ہے بلکہ آپ کا ہم پر احسان ہے۔ آپ ﷺ فرمائیں گے میری مراد یہ ہے کہ جس شخص نے میری اہل بیت کو پناہ دی ہو یا ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی نیکی کی ہو یا ان میں سے کسی عریاں کو کپڑے پہنائے ہوں یا ان میں سے کسی بھوکے کو کھانا کھلایا ہو وہ کھڑا ہو جائے اور مجھ

سے اپنا عوض لے لے۔ اس وقت کچھ لوگ اٹھیں گے اور اپنی اپنی خدمات کا ذکر کریں گے اس وقت بارگاہ احدیت سے آواز آئے گی میرے حبیب محمد ﷺ جنت میں جہاں چاہو ان کو ٹھہراؤ اس وقت آنحضرت ﷺ ان کو جنت کے ایک عالی مقام بنام "وسیلہ" میں ٹھہرائیں گے جہاں ان اہل ایمان اور آنحضرت ﷺ اور ان کی اہل بیت کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا۔

اس سے ملتی جلتی ایک حدیث صواعق محرقہ اور عیون الاخبار میں درج ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا چار شخص ایسے ہیں کہ اگرچہ تمام اہل زمین کے برابر گناہوں کا بوجھ لے کر بھی میرے پاس آئیں جب بھی میں ان کی ضرور شفاعت کروں گا۔

1- جو میرے اہل بیت کی اعانت و امداد کرے۔

2- جو ان کے اضطرار کے وقت ان کی حاجتیں برلائے۔

3- جو قلب و زباں سے ان کے ساتھ محبت رکھے۔

4- جو ہاتھ سے ان کی طرف سے دفاع کرے۔

واضح رہے کہ علمائے اعلام نے ایسی عمومی احادیث کا مصداق تمام سادات کرام کو قرار دیا ہے صرف آئمہ کے ساتھ مختص نہیں لہٰذا خداوند عالم نے سادات کو رسول اللہ سے منسوب ہونے کی وجہ سے ان کی محبت اور عزت و توقیر اجر رسالت قرار دیا ہے۔ آج اگر کوئی سادات کا احترام کرتا ہے تو وہ اجر رسالت ادا کر رہا ہے اور پاک نبی ﷺ پر احسان کے مترادف ہے جس کا بدلہ آنحضرت ﷺ قیامت کے روز ان اشخاص کو ادا کریں گے۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور احترام سادات:

عالم علوم ربانی کاشف الاسرار خرقانی سید مرتضیٰ الملقب علم الہدی اپنی کتاب بحرالانساب میں لکھتے ہیں کہ غیر سادات پر لازمی حتمی موافق احادیث نبی ہے کہ امور ذیل پر عمل کرے۔

1- کہ اس پر سادات کی محبت و تکریم واجب ہے۔

2- صدقہ اہل بیت رسول پر حرام ہے لہٰذا خمس سادات فاطمی کا حق ہے۔

3- سادات فاطمی اولاد رسول ہیں ان کا حسب نسب قیامت تک باقی ہے لہٰذا غیر سید اپنی ذات کو سادات میں شامل نہ کرے۔

4- بوجہ قرابت رسول گنہگار سید بھی بخشے جائیں گے۔

5- ہر صورت میں غیر سید سے سید افضل ہے۔

6- مجلس اگر منعقد ہو تو صدر مجلس ان کا حق ہے۔

7- ان کے بچوں کی دعا مستجاب ہے۔

8- ان سے خدمت لینا جائز نہیں۔

9- سید زادی کا نکاح غیر سید زادے سے ناجائز ہے۔

10- نماز جنازہ پر اگر سید موجود ہو تو وہ نماز جنازہ پڑھائے۔

11- راستہ چلتے وقت سید مقدم رہے۔

یہ تمام صفات صرف سادات فاطمی کے لیے ہیں۔ (بحرالانساب)

سادات فاطمی کے درجے:

اللہ تعالیٰ نے آل رسول کو تین درجوں میں منقسم کیا ہے۔

پہلا درجہ معصومین اور دوسرا درجہ غیر معصومین صالحین اور تیسرا درجہ گنہگاروں کا چنانچہ ارشاد خداوندی ہوا۔

ثم اور ثنا الکتاب الذین اصطفینا..... الکبیرہ. (سورہ فاطر پارہ 22)

پھر وارث بنایا ہم نے اپنی کتاب کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ پس ان میں سے کچھ تو اپنی جان پر ستم ڈھاتے ہیں اور کچھ ان میں میانہ رو ہیں اور کچھ تمام اعمال میں خدا کی اجازت (رضا) سے سبقت کرنے والے ہیں اور یہی تو خدا کا بڑا فضل ہے۔ زوائح القران فضائل انا الرحمن سورہ فاطر کی اس آیت کے بیان ص 431 کے حاشیہ ایک اور خرائج میں امام موسیٰ کاظم و امام علی رضا و امام حسن عسکری و امام جعفر صادق علیہم السلام کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے برگزیدہ بندے ہم ہیں اور ہم کو کتاب کا وارث بنایا اور یہ آیت جمیع اولاد جناب فاطمہ الزہراؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ سابق الخیرات سے مراد ہم آئمہ معصومین ہیں اور مقتصد سے مراد (صالحین) عارفین اور ظالم لنفسہ سے مراد جو امام کو نہ پہچانے اور اللہ تعالیٰ نے بوجہ عزت و عظمت زہراؑ ان کی اولاد پر دوزخ حرام کر دیا ہے۔ اسی لیے اولاد فاطمی تین طبقوں میں منقسم ہے۔

1- پہلا طبقہ آئمہ معصومین علیہم السلام
2- دوسرا طبقہ غیر معصومین صالحین
3- تیسرا طبقہ گنہگاروں سادات

گنہگار سادات کے متعلق:

جیسا کہ مذکور ہے کہ اولاد فاطمہؑ میں معصوم بھی ہیں اور غیر معصومین صالحین جبکہ گنہگار بھی ہیں تو بعض کم فہم اور کوتاہ اندیش حضرات یہ کہتے ہیں گنہگار سادات کی عزت وتکریم کا شرعاً کوئی حکم نہیں بلکہ بعض لاابالی قسم کے لوگ تو ایسے گنہگار افراد کی سیادت پر بھی شک کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں حضرت نوح اور ان کے ناخلف بیٹے کا واقعہ بیان کرتے ہیں حالانکہ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ برے اعمال کرنے سے سلسلہ نسب نہیں ہوتا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ولقد ارسلنا نوحاً وابٰرھیم..... وکثیر منھم فاسقون.

ہم نے جناب نوح ابراہیم کو رسالت دے کر بھیجا اور ان کی ذریت میں نبوت وکتاب کو رکھا۔ ان کی ذریت میں بعض ہدایت یافتہ اور بعض فاسق وفاجر ہیں۔

یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے۔ کہ بدعمل بھی ذریت میں داخل ہوتے ہیں۔ اس طرح رسول خدا کا یہ فرمان بھی گنہگار سادات کی عزت وتکریم کے لازم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ **اکرمو اولادی الصالحین للّٰہ والطالین لی.** میری اولاد کی عزت کرو اگر نیک ہوں تو اللہ کے لیے اور گنہگار ہوں تو میرے لیے (کتاب الشہاب۔ مودۃ القربیٰ علی ہمدانی۔ جامع الاخبار۔ الانوار)

بدعقیدہ کا سلسلہ نسب منقطع ہو جاتا ہے:

یہاں یہ یاد رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ اگر کوئی فرد بدعقیدہ ہو جائے اور معصومین کے مذہب کو ترک کر دے یعنی سید اگر اسلام سے خارج ہو جائے۔ ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ ہو جائے تو وہ سید نہیں رہتا ہے کیونکہ کفر کی وجہ سے اس کا نسب حضور ﷺ سے ٹوٹ گیا ہے۔ وہ شریعت میں اپنے باپ کے خاندان سے نہ رہا۔ دین کے اختلاف سے نسب ختم ہو جاتا ہے بلکہ اس پر شریعت کے احکام بھی جاری نہیں ہوتے چنانچہ مسلمان باپ کا کافر بیٹا میراث نہیں پاتا۔ نہ باپ کے ساتھ قبرستان میں

دفن ہوسکتا ہے۔ باپ اس کافر بیٹے کی تجہیز وتکفین نہیں کرسکتا ہے بلکہ بعض مومن مائیں کافر بیٹے سے پردہ کرتی ہیں۔ کافر مرد کا مومن عورت سے نکاح نہیں ہوتا ہے لہٰذا بدعقیدہ ہونے سے اس سے شرف سادات سلب ہو جاتا ہے۔ یہاں حضرت نوح کے بیٹے کے واقعہ سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ نوح کا بیٹا فقط نماز روزہ وغیرہ پابند نہیں تھا بلکہ وہ اصولی طور پر شریعت نوح کا منکر تھا لہٰذا شریعت واصول کا منکر ہونے سے شرف سیادت چلا جاتا ہے۔ گنہگار ہونے سے نہیں۔ اس بناء پر ہم ایسی سادات کے لیے کوئی شرف وفضیلت نہیں جو مذہب معصومین کو ترک کر کے ان کے دشمنوں سے محبت وعقیدت رکھے ایسے لوگوں کی عزت وتکریم کی بجائے ان سے بیزاری اختیار کرنا واجب ہے۔ بنابریں جولوگ بدعقیدہ اور مذاہب باطلہ کے پیروکار ہیں اور پھر دعویٰ سیادت بھی کرتے ہیں وہ کسی عزت وتکریم کے حق دار نہیں ہیں مگر جو حضرات کا عقیدہ مذہب حق ہو مگر ان سے فطری وعملی طور پر کچھ فروگذاشتیں ہو جائیں تو ان کی عزت وتکریم بہرحال لازم ہے۔ ایسے حضرات کی حالت بلاشبہ بداعمال والدین جیسی ہے جس طرح والدین بداعمال ہوں لیکن ان کا احترام ضروری ہے۔ یہی کیفیت غیر صالح سادات کی ہے بوجہ نسل رسول ہونے کے احترام ضروری ہے۔

اولاد فاطمہ پر جہنم کی آگ حرام ہے:

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ

ان فاطمه احصنت فرجها فحرم الله ذريتها على النار.

''فاطمہ نے پاکدامنی اختیار کی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد پر جہنم کی آگ حرام کردی ہے۔

اسے تمام نے اپنے فوائد میں بیان کیا ہے اور بزار اور طبرانی نے فحرمها الله وذريتها على النار یعنی اللہ نے اس کو اور اس کی ذریت پر آگ حرام کردی ہے۔ (صواعق محرقہ)

حضور ﷺ نے جناب فاطمہ سے فرمایا۔ ان الله غير معذبک ولا ولدک. اللہ تعالیٰ تجھے اور تیری اولاد کو عذاب نہیں دے گا۔ سعید بن جبیر نے آیت جنات عدن يدخلونها ومن صلح من ابائهم وازواجهم وذريتهم کے ضمن میں بتایا کہ جب صالح باپ ساتویں پشت تک کی عام اولاد کو فائدہ دے سکتا ہے تو سیدالانبیاء کے بارے میں کیا خیال ہے وہ اپنی اولاد کو کس

قدر فائدہ پہنچائیں گے۔ یہ بھی کہا کہ حرم کے کبوتروں کی عزت واحترام اس لیے ہے کہ وہ ان دو کبوتروں کی اولاد ہیں جنہوں نے غار ثور کے منہ پر گھونسلہ بنالیا تھا۔ (صواعق محرقہ) اور ویسے بھی اہل بصیرت جانتے ہیں کہ ایک حافظ قرآن اپنی عام پشتوں کو بخشوا سکتا ہے تو جس کے دل پر قرآن نازل ہوا ہو کیا وہ اپنی قیامت تک کی پشتوں کو فائدہ نہیں دے سکتا ہے۔

اولاد فاطمہ کی زیارت کرنا عبادت ہے:

وسائل الشیعہ میں امام رضا علیہ السلام سے مذکور ہے۔

النظر الی ذرتینا عبادة قلت هل النظر الی الائمه عباده والنظر ال جميع ذرية النبی فقال النظر الی جميع ذرية النبی عباده مالم بفارقوا منها جه.

ہماری ذریت کی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے۔ راوی نے کہا تمام ذریت کی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے یا صرف آئمہ کی طرف۔ فرمایا تمام اولاد نبی کی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے سوائے جب تک وہ آنحضرت ﷺ کے مذہب سے خارج نہ ہو جائیں۔

اولاد فاطمہ پر صدقہ حرام:

اس امر میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ صدقہ زکوۃ وفطرہ ومستحبی صدقات وخیرات آل رسول پر حرام ہیں۔ چونکہ صدقہ وزکوۃ لوگوں کے ہاتھوں کی میل کچیل ہے اللہ تعالیٰ نے سادات کی عظمت کے پیش نظر ان کو ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھا ہے۔ یہاں ان حضرات کے لیے جو سادات اور غیر سادات کی مساوات کے قائل ہیں ان کے لیے لمحہ فکریہ اور تازیانہ عبرت ہے کہ سادات پر صدقہ حرام ہے اور غیر سادات پر جائز کیوں ہے اور جس طرح بادشاہوں اور شہزادوں کے لیے اصل مال سے حصص مقرر ہوتے ہیں۔ اسی طرح سادات کے لیے اصل مال کا پانچواں حصہ مقرر کیا گیا ہے جس کو خمس کہا جاتا ہے لیکن افسوس ہے کہ صدقہ آل محمد پر حرام ہے اور خمس امت رسول نے بند کر دیا ہے اور جو خمس کے قائل ہیں وہ اکثر بے قاعدگی سے ادا کرتے ہین اور جو خمس نکالتے ہیں اس مصرف ہی غلط ہوتا ہے کسی ایسے کے حوالے کر دیا جاتا ہے جو خود اس کا مالک بن جاتا ہے۔

صحیح النسب سید تائب ہو کر مرتا ہے:

سفینۃ البحار 2 ص 254 پر مذکور ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہمارے خاندان میں کوئی شخص نہیں ہوتا کہ مگر یہ کہ سعادت الٰہی اس کے شامل حال ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کی موت میں اتنا وقت باقی ہو جتنا ناقہ کے دو دفعہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے۔

لہٰذا صحیح النسب سید اگر کسی وقت بدعملی کا شکار ہو جائے تو توفیق الٰہی ضرور اس کے شامل حال ہوتی ہے اور بالآخر تائب ہو کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

دوگنا عذاب:

جہاں اللہ نے اولاد رسول کے لیے اتنی عزت و تکریم رکھی ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ نجات اخروی کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ سادات جس طرح شریعت مصطفوی کا مذاق اڑائیں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیں۔ لوگوں کی عزتوں سے کھیلیں اپنے فرائض شرعی سے غافل رہیں۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ کے منکر ہوں ظلم و زیادتی اور افعال بد کے مرتکب ہوں اسلامی اقدار کی دھجیاں اڑائیں۔ فسق و فجور میں مبتلا ہوں۔ اس سے یہ مت سمجھیں کہ وہ ضرور بلاحساب جنت میں چلے جائیں گے۔ (آل رسول پر صرف جہنم کی آگ حرام ہے باقی عذاب نہیں) اور بقول بعض جہلاء کہ گناہوں کی کثافت و نجاست ان کے ٹخنوں سے اوپر جاتی ہی نہیں تو یہ بالکل غلط اور باطل عقیدہ ہے جو بانی شریعت پر کنبہ پروری کا الزام عائد کرتا ہے کیونکہ اس طرح ان افراد کے افعال شنیع کی ذمہ داری حضور ﷺ پر آتی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے نجات اخروی کا تعلق صحیح عقیدہ اور عمل صالح پر موقوف ہے (1) ہاں اس سلسلہ میں سادات کو غیر سادات پر یہ امتیاز ضرور حاصل ہے کہ ان کو نیکیوں پر دوگنا ثواب اور برائیوں پر دوگنا عذاب ہوتا ہے۔ اصول کافی اور دیگر معتبر کتب میں اس قسم کی بکثرت روایات درج ہیں کیونکہ جب ازواج النبی سببی رشتہ داری کی بناء پر دوسری عورتوں جیسی نہیں یا نساء النبی لتسن کاحدمن النساء اے نبی کی بیبیوں تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو تو اولاد رسول تو خون کی رشتہ داری ہے اور جس طرح نبی کی بیویوں نے کہا یانساء النبی من یات من کن بفاحشۃ مبینہ یضعف لما العذاب ضعفین کہ اگر تم نے اعمال بد کیے تو تم کو دوگنا عذاب ہوگا تو آنحضرت ﷺ کے نبی رشتہ داری میں بھی دوگنا عذاب کیوں نہیں ہوگا۔

شیخ صدوق علیہ رحمہ کا عقیدہ:

حضرت شیخ ابوجعفر المعروف شیخ صدوق اپنی رسالہ اعتقادیہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی اولاد و امجاد کے حوالے ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ آل رسول ہیں اور ان کی محبت و مودت تمام مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ وہ اجر رسالت ہے۔ جیسا کہ خداند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ مال کی پیشکش کر رہے ہیں۔ ان سے کہہ دو میں تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔ سوائے اس کے کہ میرے قرابت داروں سے مودت رکھو۔ صدقہ چونکہ ہاتھوں کا میل کچیل ہوتا ہے اور ان کے لیے باعث طہارت باطنی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ان (سادات) پر حرام کر دیا گیا ہے مگر اولاد رسول میں بعض کا صدقہ بعض پر نیز ان کا صدقہ ان کے غلامون اور کنیزوں پر حلال ہے۔ چونکہ مال زکوۃ ان پر حرام ہے اس لیے اس کے عوض میں مال خمس اولا رسول کے لیے حلال قرار دیا ہے۔ سادات کے بارے ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ جو شخص ان میں سے بدعمل ہوگا اس کو بہ نسبت غیر سادات کے دگنا عذاب ہوگا اور ان میں سے جو نیکوکار ہوں گے ان کو دگنا ثواب ملے گا۔ سادات کرام آپس میں ایک دوسرے کے کفو اور ہمسر ہیں اس امر کی تائید فرمان رسول سے اس طرح ہوتی ہے جو آپ نے جناب ابوطالب کی اولاد یعنی حضرت علی اور جناب جعفر طیار کی جانب دیکھتے ہوئے فرمایا۔ ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کی مثل اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کی مثل مانند ہیں۔

آل رسول سے بغض کا نتیجہ:

حدیث نبوی ہے جس نے میری اہل بیت کے کسی فرد سے بغض رکھا وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا۔

1- تفسیر کشاف ابن حجر حسام السادات تحفہ ابوحنیفہ کے مناقب میں ہے کہ ابوحنیفہ ایک مجلس میں درس دے رہے تھے کہ آپ کے سامنے سے ایک سیدزادہ گزرا اور آپ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اسی طرح وہ سیدزادہ چودہ مرتبہ اس جگہ سے گزرا چودہ مرتبہ اٹھے اور بیٹھے حاضرین نے بار بار اٹھنے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سامنے سے ایک سید صاحب کا گزرتا ہے میں ان کی تعظیم کے لیے اٹھتا ہوں کہ سید صاحب حضور ﷺ

کا فرزند ہے۔(نوٹ۔ سادات کی ایسی ہی عزت و تعظیم امام شافعی علیہ رحمہ کی زندگی میں بھی ملتی ہے)

2- امام مالک مناقب اہل بیت میں فرماتے ہیں میں کسی کو فضیلت نہیں دیتا رسول خدا کی جگہ پر یعنی حضرت فاطمہ پر یعنی یہی حکمت قیامت تک (سیدہ فاطمہ کی اولاد پر) حضرت امام کا مذہب رکھنے والوں پر لازم ہے کہ اپنے امام کی متابعت کریں اور اپنے امام کے قول پر پابند ہو کر سادات کا احترام کریں جبکہ ان کا امام درس قرآن دیتے ہوئے سادات کا احترام کرتا ہے۔

ایک غلط فہمی:

اکثر حضرات بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا فاطمہ میرے مال سے جو چاہو لے لو۔ میں تم سے خدا کا عذاب دور نہیں کر سکتا۔ اگر اس روایت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ایک طرف یہ واضح ہو گا کہ سیدہ فاطمہ زہراؓ نسب کے اعتبار سے سیدۃ النساء العلمین نہیں ہیں بلکہ اپنے اعمال کی عظمت کی تحت جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ اس سے سیدہ کی عظمت کا الگ پہلو نظر آیا گا۔ کفر کی وجہ سے نسبی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور ﷺ کی نسبت سے سارے مسلمان فائدہ اٹھائیں گے جہنمی جنتی ہو جائے گا' گنہگار معافی مائیں گے جب امتی ہونے کا اتنا فائدہ ہو سکتا ہے تو نسب کا ہونا کتنا فائدہ دے گا۔

جب امتی ہونے کا فائدہ ہے تو نسب کا فائدہ کیوں نہیں:

رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ انھم اذ ظلم..... (سورہ نور) جب اپنی جانوں پر ظلم کر لیں اور میری حبیب تیرے پاس آ جاویں اور رب سے بخشش طلب کریں اور تم بھی شفاعت کرو تو اللہ ان کی توبہ قبول کر لے گا پھر خدا نے فرمایا ما کان لیعذبھم وانت فیھم اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا جب تک میرے حبیب تم ان میں ہو۔ یہاں لطیف نقطہ ہے کہ اب تک عذاب نہ آنا اس بات کی دلیل ہے حضور ﷺ ہمارے درمیان ہیں چاہے آخری حجت کی صورت میں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے گنہگاروں کے لیے ہے۔ نیز حضور ﷺ نے فرمایا حضور ﷺ کی

شفاعت سے ایک بڑی جماعت دوزخ سے نکلے گی جنہیں جہنمی کہا جائے گا۔ انبیاء نے خواہش ظاہر کی کہ ہمیں حضور ﷺ کی امت میں پیدا فرما یعنی انبیاء حضور ﷺ کے امتی ہونے کو اپنے لیے فخر سمجھیں تو حضور ﷺ کے نسب سے ہونا کیا فخر کے لائق نہیں ہوگا۔

آل رسول ﷺ سے محبت کا اجر (فائدہ):

جیسا کہ آغاز میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ایسے افراد کی شفاعت ضرور کروں گا جنہوں نے دل اور زبان سے میری اولاد سے محبت رکھی۔ میری اولاد کی حمایت کی ان کی مشکل میں ان کا ساتھ دیا اور جس نے میری اولاد کی حاجت برلائی ہو۔

حدیث میں ہے کہ سخاوی کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا اے علی اللہ تعالیٰ نے تجھے تیری اولاد تیرے بیٹوں اور تیرے شیعوں اور تیرے شیعہ کے محبوب کو بخش دیا ہے۔ (صواعق محرقہ)

علامہ بن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آل رسول سے عزت و احترام کے ساتھ پیش آنا چاہیے اور ان کا ادب ان کی شان کے مطابق ہونا چاہیے تا کہ ان کا شرف معلوم ہو اور مجالس میں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آنا چاہیے کیونکہ ان سے محبت کا واضح اثر ہوتا ہے۔ نجم الدین بن فہد اور مقریزی نے بیان کیا ہے کہ ایک قاری جب تیمور لنگ (تاتاری بادشاہ) کی قبر کے پاس سے گزرا تو اس نے آیت **خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوۃ** (آیت) بتکرار پڑھی۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے خواب میں رسول کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور تیمور لنگ آپ کے پہلو میں ہے۔ قاری کہتا ہے میں نے اس کو ڈانٹتے ہوئے کہا اے دشمن خدا تو یہاں بھی آن پہنچا اور میں نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی کہ رسول اللہ کے پہلو سے اسے اٹھا دوں پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو کیونکہ یہ میری اولاد کا محب ہے۔

جمال مرشدی اور شہاب کورانی نے بتایا کہ تیمور لنگ کے ایک بیٹے نے بتایا کہ جب تیمور لنگ مرض الموت میں مبتلا ہوا ایک دن اس کو شدید اضطراب ہوا جس سے اس کا چہرہ سیاہ اور رنگ متغیر ہو گیا جب اس کو ہوش آیا تو اس کے سامنے اس کیفیت کو بیان کیا گیا تو اس نے کہا کہ عذاب کے فرشتے میرے پاس آئے تو رسول کریم ﷺ نے انہیں فرمایا کہ چلے جاؤ کہ یہ میری اولاد کا محب اور ان سے حسن سلوک کرنے والا ہے اس پر فرشتے چلے گئے۔ (صواعق محرقہ)

جب آل رسول کی محبت اس شخص کو فائدہ دیتی ہے جس سے بڑا ظالم کوئی نہیں تو دوسرے لوگوں کو یہ محبت کیا کیا فائدے دے گی۔

اسی طرح سفینۃ البحار اور تاریخ قم میں جناب احمد بن اسحاق اور سید حسین قمی کا واقعہ مذکور ہے۔اس واقعہ کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جناب احمد بن اسحٰق سادات عظام کا بڑا احترام اور خدمت کرتے تھے۔انہی سادات میں سے قم میں سید حسین قمی بھی تھے جب جناب احمد بن اسحاق کو معلوم ہوا کہ سید موصوف شراب پیتے ہیں تو انہوں نے اس سید کا مشاہرہ بند کر دیا اور جب سید حسین ان کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تو جناب احمد بن اسحٰق نے ان سے ملاقات کا وقت نہ دیا۔وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔کچھ عرصہ کے بعد جناب احمد حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور اس سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ میں امام کے دولت سرا پر حاضر ہوئے تو امام عالی مقام نے ملاقات سے انکار کر دیا اور فرمایا اگر تمہارے پاس ہماری اولاد کی ملاقات کے لیے وقت نہیں تو ہمارے پاس بھی تمہاری ملاقات کے لیے وقت نہیں ہے۔اتفاقاً کسی طرح شرف زیارت حاصل ہوا جناب احمد بن اسحٰق نے معذرت کے بعد عرض کی مولا میں نے تو محض اس لیے ان کے ساتھ سلوک کیا تھا کہ وہ شراب خوری کی بدعادات میں مبتلا تھے۔امام نے فرمایا جو کچھ بھی ہو ہر حال میں سادات کا احترام لازم ہے اور ہرگز ان کو حقیر نہ سمجھو اور نہ ان کی توہین وتذلیل کرو کیونکہ ان کی نسبت ہماری طرف ہے ورنہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

جب جناب احمد واپس قم پہنچے اور ملاقات کے لیے احباب آئے تو ان میں سید حسین قمی بھی تھے۔اب کی مرتبہ جناب احمد بن اسحٰق نے خلاف توقع آگے بڑھ کر سید کا استقبال کیا۔اپنے پاس بٹھایا۔مزاج پرسی کی اور لوگوں کے جانے کے بعد سید موصوف نے اس تبدیلی کے بارے میں دریافت کیا انتہائی اصرار کے بعد جناب احمد نے تمام ماجرا سنا دیا۔جو سید صاحب اور ان کے اور امام علیہ السلام کے درمیان میں گزرا تھا۔سید حسین سن کر زاروقطار رونے لگے کہ ہم اعمال بد کا ارتکاب کرتے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد پھر بھی ہمارا اس قدر پاس ولحاظ کرتے ہیں یہ کہہ کر اٹھے اور گھر جا کر شراب کے برتن توڑ دیئے اور ایسی توبۃ النصوح کی کہ عابد وزاہد بن گئے۔

علامہ سبط ابن جوزی اپنی کتاب تذکرۃ الخواص ص 444 پر تحریر فرماتے ہیں کہ بلخ میں ایک شخص اولاد علی سے رہتا تھا۔اس کی ایک بیوی اور چند لڑکیاں تھیں۔وہ شخص فوت ہو گیا۔اس کی

بیوی کہتی ہے کہ میں شماتت اعداء کے خوف سے اپنے بچوں کو لے کر سمرقند چلی گئی جب ہم سمرقند پہنچے تو سخت سردی تھی۔ میں نے اپنی لڑکیوں کو ایک مسجد میں بٹھایا اور اکیلی شہر چلی گئی تا کہ ان کے کھانے کا کوئی انتظام کروں۔ میں نے ایک جگہ چند لوگوں کو ایک شمع کے گرد جمع دیکھا۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا یہ رئیس شہر ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے اپنے حالات بیان کیے۔ اس نے کہا کہ تم کوئی گواہ لے آؤ کہ تم سیدزادی ہو۔ یہ کہہ کر رئیس نے اس سے منہ پھیر لیا۔ میں مایوس ہو کر واپس آ رہی تھی کہ راستہ میں چند لوگوں کو ایک شخص کے قریب کھڑے دیکھا دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ وہ شہر کا داروغہ ہے اور مجوسی ہے۔ میں نے بادل نخواستہ اس سے سوال کیا کہ میں سیدزادی ہوں میری بچیاں مسجد میں بیٹھی ہیں۔ شہر کے رئیس نے سیدزادی ہونے کے لیے گواہ طلب کیے ہیں۔ پس اس مجوسی نے اپنے خادم کو آواز دی اور اسے کہا کہ اپنی مالکہ سے کہو کہ برقعہ اوڑھ کر آئے جب اس کی بیوی آئی تو اس نے کہا چند کنیزیں لے کر جاؤ اور سیدزادی کی بچیاں مسجد سے لے کر آؤ۔ وہ عورت سیدزادی کے ساتھ گئی اور بچیاں لے کر واپس آئی۔ ایک علیحدہ مکان دیا اور نہایت اچھی تواضع کی

جب آدھی رات ہوئی تو رئیس شہر نے خواب دیکھا کہ میدان محشر ہے لواء الحمد سید الانبیاء کے سر پر سایہ فگن ہے اچانک اسے ایک محل زمرد سبز رنگ نظر آیا دریافت کیا یہ کس کا محل ہے۔ کہا گیا یہ مسلمان موحد کا ہے اس نے آگے بڑھ کر حضورC کو سلام کیا انہوں نے منہ پھیر لیا۔ اس نے عرض کیا یا نبی اللہ میں مسلمان ہوں۔ حضورC نے غصے میں کہا اپنے مسلمان ہونے کا گواہ پیش کر اس نے کہا مولا اس وقت گواہ کہاں سے لاؤں۔ حضورC نے فرمایا تو میری بچیوں سے گواہ طلب کرتا تھا جا یہ مکان اس کو ملے گا جس کے ہاں میری بچیاں مہمان ہیں۔ وہ خواب سے بیدار ہوا اور اپنے چہرے پر طمانچے مارنے لگا اور رونا شروع کر دیا۔ آخر اس نے سارے غلام شہر میں دوڑا دیئے کہ کہیں اس سیدزادی کا پتہ کرو تب اسے پتہ چلا کہ وہ ایک دروغہ مجوسی کے ہاں ہیں رئیس شہر دروغہ کے پاس آیا اور بولا ایک ہزار لے لو اور یہ سیدزادی اس کے حوالے کر دو۔ مجوسی نے کہا ایک لاکھ دینار بھی دے تو بھی میں ایسا نہیں کروں گا۔ زیادہ اصرار کرنے پر کہا جو خواب تو نے دیکھا ہے وہی خواب میں نے بھی دیکھا ہے اور جو محل و قصر تو نے دیکھا وہ حضورﷺ نے مجھے عطا کیا ہے تو اپنا اسلام جتاتا رہا ہم اس وقت تک سوئے نہیں جب تک سیدزادی کے ہاتھوں مسلمان نہیں ہوئے۔ حضورﷺ نے ہمیں بشارت دی کہ تم نے میری اولاد کی عزت کی ہے لہٰذا جنت تم پر واجب کر دی گئی ہے۔

3- امام شعرانی کتاب بحر المورود وعہود ومواثیق میں فرماتے ہیں کہ مجھے سید شریف بن امیہ بن خطابؒ نے خبر دی ہے کہ کاشف المغیرہ نے ایک سید صاحب کو مارا تو اسی رات خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ حضور ﷺ اس سے اعتراض فرماتے ہیں اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا کیا قصور ہے فرمایا تَضْرِبُنِی وانا شَفَعُکَ یومَ القیمۃ تو مجھے مارتا ہے حالانکہ روز قیامت میں تیرا شفاعت کرنے والا ہوں۔ کاشف المغیرہ نے عرض معاذ اللہ حضور یہ کیسے ممکن ہے حضور نے کہا اَنْتَ ضَرَبْتَ وَلَدِیْ کیا تم نے میرے بچے کو نہیں مارا تب اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے یہ قصور سرزد ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو تو نے وار کیا میرے بازو پر کیا پھر آپ ﷺ نے اپنا بازو نکال کر دکھایا تو اس پر چوٹ کے نشان تھے اس میں شیخ عبدالوہاب شعرانی نے فرمایا کہ مرتبہ سادات حسنی وحسینی کا ہم سب سے اعلیٰ ہے۔ (کتاب مقامع النبیۃ)

غرض کہ بنی فاطمہ کی عزت وتکریم خدا ورسول کی عزت وتکریم ہے اور یہ شرف ان کو اولاد فاطمہؓ ہونے کی وجہ سے ملا ہے نیز احترام سادات سے مساوات اسلامی پر کوئی زد نہیں پڑتی ہے بلکہ معاشرہ کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے جس طرح والدین استاد بزرگوں پیش امام یا حاکم کمانڈر وغیرہ کے احترام سے سماجی ناہمواری پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح سادات کے احترام سے بھی کوئی سماجی ناانصافی واقع نہیں ہوتی ہے لہٰذا جہاں غیر سادات کے لیے سادات کا احترام واجب ہے وہاں سادات کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے منصب کو سمجھیں اور اس شرف کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں۔ اپنے کردار کی طاقت سے اپنی عظمت کو منوائیں تاکہ رسول خدا ﷺ کے سامنے قیامت کے روز شرمندگی نہ ہو نیز اسے انقلاب زمانہ کہیے یا مغربی تہذیب کے اثرات فی زمانہ اکثر صحیح نسب سید اپنے حسب نسب سے اور اپنے آباؤ اجداد کے حالات سے قطعی ناواقف ہیں۔ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کس نسل اور کس امام زادے کی اولاد سے ہیں۔ بعض سید یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ پرانی باتیں ہیں حسب نسب فضول ہے۔ ایسے لوگوں کے خیالات سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یا وہ صحیح النسب سید نہیں یا مثل نوح کے لیے کنعاں کی مانند ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو حسب نسب پر فخر فرمائیں اور یہ

لوگ حسب نسب کو ناقص جانیں۔سادات نے ہر زمانے میں صبر آزما مصائب کا سامنا کیا اور پے در پے قربانیاں دیں۔ باطل پرستوں کی جانب سے مظالم بڑھتے چلے گئے اور قربانی کا سلسلہ بھی تیز ہوتا چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی اولاد نے مسلسل دین اسلام کی خاطر قربانیاں دیں اور سادات سے محبت کرنے والوں نے ہر دور میں دین کی خاطر سادات کا ساتھ دیا۔

حسب نسب کا برقرار رکھنا اس لیے بھی ضروری ہے تا کہ کھرے اور کھوٹے کے درمیان امتیاز قائم رہ سکے۔

زمانے کی ستم ظریفی دیکھیے پاک نبی سے محبت کا دعویٰ کرنے والے نقش نعلین مصطفیٰ کو سینوں پر سجائے پھرتے ہیں اور نعلین مصطفیٰ کی تصویر کا احترام کر کے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن رسول پاک ﷺ کی اولاد کے لیے ان کے دل میں چندان احترام یا محبت نہیں ہے۔ آج بھی ممبر رسول پر عصاء کا احترام کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی نسبت مصطفیٰ سے ہے لیکن خون رسول کی قدر بالکل نہیں ہے۔ مدینے جا کر روضہ رسول کی جالی چومنے کے لیے بے تاب ہیں لیکن کبھی کسی نے اس رسول کی بیٹی کی قبر پر برستی غربت پر غور نہیں کیا ہے حالانکہ عام معاشرے کا دستور ہے کہ باپ کو خوش کرنا ہو تو اس کی اولاد سے پیار کرو وہ خود بخود خوش ہو جائے گا۔

◆•◆•◆•◆•◆

سیدزادی کا نکاح

یہ امر مسلمہ ہے کہ اولاد رسول کو باقی تمام دنیا کے خاندانوں پر فضیلت حاصل ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت علی کی اولاد ہی اولاد رسول ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کی اولاد اس کے صلب میں اللہ نے رکھی جبکہ میری اولاد اللہ نے صلب علی میں رکھی ایک اور مقام پر فرمایا بے شک ہر نبی کی اولاد ہوئی جو اپنے باپ کی طرف منسوب ہے مگر اولاد فاطمہ کا میں ہی ان کا باپ ہوں۔ یعنی اولاد فاطمہ میری ہی اولاد ہے۔ جو میری طرف منسوب ہے یعنی آل رسول۔

لہٰذا اولاد فاطمہ ؑ اولاد رسول ہے اور سیدہ فاطمہ ؑ کی عظمت کے پیش نظر اللہ نے اس کی اولاد پر آتش جہنم کو حرام کر دیا ہے جیسا کہ ہر انسان کی اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں شامل ہوتی ہیں اسی طرح اولاد رسول میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں داخل ہیں لہٰذا جہاں اولاد رسول میں بیٹوں کی عزت و تکریم کی جاتی ہے وہاں بنات رسول کی تعظیم و تکریم اللہ و رسول کی عزت و تکریم کے مترادف ہے لہٰذا تمام غیر سادات پر سیدزادیوں کا احترام واجب ہے لیکن عرصہ سے یہ سوال لوگوں کے ذہن میں خلل پیدا کر رکھا ہے کہ بنات رسول یعنی سیدزادی کا نکاح غیر سیدزادہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس سوال کے جواب دینے سے پہلے عقل سلیم رکھنے والے اہل بصیرت افراد سے میری گزارش ہے کہ اگر سیدزادی کا نکاح غیر سیدزادہ سے ہو جائے تو کیا وہ امتیازی حیثیت جو اولاد رسول کو حاصل ہے وہ قائم رہے گی اور وہ مخصوصات سادات فاطمہ کا کیا بنے گا جو اللہ نے ان کو نسل رسول ہونے کی وجہ سے عطا کیے ہیں چنانچہ احادیث نبوی اور فرامین مصطفیٰ کی روشنی میں سیدزادی کا نکاح غیر سیدزادہ سے درج ذیل وجوہات کی بناء پر ناممکن ہے۔

1- بوجہ تکریم سادات:

چونکہ اولاد رسول کی تعظیم وتکریم کو اللہ و رسول کی تعظیم وتکریم قرار دیا گیا ہے پس نبات رسول کا نکاح ان افراد غیر سادات سے کیسے جائز ہوگا جن پر سادات کی عزت وتکریم فرض کی گئی ہے۔ سیدزادی کی یہ تعظیم واحترام غیر سید شوہر کیسے قائم رکھ سکتا ہے جبکہ شوہر پر زوجہ کا احترام شرعاً واجب نہیں ہوتا بلکہ زوجہ پر شوہر کا احترام واجب ہے اور جس فعل وعمل سے خدا ورسول کی تعظیم وتکریم میں فرق آئے وہ شرعاً جائز نہیں ہوتا۔ خصوصاً اس صورت میں جب قرآن نے بتایا ہو کہ الرجال قوامون علی النساء کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور پیغمبر اکرم نے فرمایا ہے اگر غیر خدا کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے اس صورت میں غیر سید شوہر کے لیے سیدزادی زوجہ کا احترام کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کیونکہ تعظیم افضل کی ہوتی ہے مفضول کی نہیں۔ زوجہ کی حیثیت سے سیدزادی مفضول ہو جائے گی جبکہ سیدزادی کی تعظیم لازم ہے اس کا بدلنا کفر ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری اولاد کی گستاخی کی اس نے میری گستاخی کی جس نے میری گستاخی کی اس نے اللہ کی گستاخی کی۔ ومن اھان اللہ فقد کفر پس جس نے اللہ کی گستاخی کی وہ کافر ہو گیا۔ (مودۃ القربیٰ)

پس نبات رسول جو اولاد رسول ہیں ان کی عزت وتوقیر قیامت تک ختم نہیں ہوسکتی ہے۔ نبات رسول اقوام عالم سے ہمیشہ افضل اور اعلیٰ ہیں لہٰذا کوئی مفضول مردان پر حاکم نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لیے ایسا عقد جو فاضل کو مفضول اور مفضول کو فاضل بنائے باطل ہے۔ اس لیے کہ فاضل کو مفضول بنانے سے ظلم عائد ہوتا ہے اور ظلم کسی طرح جائز نہیں لہٰذا ایسا نکاح ناجائز اور باطل ہے جس سے نبی زادیوں کی توہین وہتک ہوتی ہو۔ قرآن میں نبی کے گھرانے کا احترام لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مومنین کے لیے حکم ہے۔ یاایھا الذین امنو لاتدخلوبیوت النبی..... (سورہ احزاب آیت 52,53 پارہ 22) ''یعنی اے ایمان والو نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر جب تم کو کھانے کی اجازت دی جاوے بغیر کھانا ملنے کے انتظار کے لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جاؤ اور جب کھا چکو تو چلے جاؤ وہاں باتیں کرنے نہ بیٹھ جاؤ۔ بے شک تمہارا یہ کام نبی کو دکھ دیتا ہے پس وہ تم سے حیا کرتا ہے مگر خدا حق بات کہنے سے حیا نہیں کرتا ہے اور جب تم نبی کی عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے

پیچھے سے مانگو یہ عمل تمہارے اور ان کے دلوں کو پاک رکھنے کے لیے بہت اچھا ہے اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو دکھ دو اور نہ تم ان کی بیبوں سے ہمیشہ ہمیشہ کبھی بھی نکاح کرنا خدا کے نزدیک بہت بد ہے۔ اگر تم چھپائے رکھو یا ظاہر کرو بے شک خدا ہر شے کو بہت ہی زیادہ جانتا ہے۔''

اس آیت میں اللہ نے جن امور کی ممانعت کی ہے۔ اس میں 1- نبی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا 2- ازواج نبی سے پردہ نہ کرنا 3- ازواج نبی سے بعد رسول نکاح کرنا۔

ان امور پر عمل کرنا اللہ کے رسول کو دکھ دیتا ہے۔ کن کے اعمال سے مومنین کے اعمال سے اولاد رسول سے نہیں کیونکہ آل رسول بیوت النبی میں بالا اجازت آ جا سکتے ہیں۔ ازواج رسول سے بلا پردہ چیز مانگ سکتے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر باتیں کر سکتے ہیں چنانچہ معلوم ہوا کہ اولاد رسول اور مومنین میں فرق ہے۔ اولاد رسول بیوت النبی میں شامل ہے اور اللہ نے ازواج رسول سے نکاح کی ممانعت ازواج رسول کے ذاتی اوصاف کی بناء پر حکم جاری نہیں کیا بلکہ ازواج رسول سے نکاح نہ کرنے کا حکم صرف رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے دیا جب سبھی رشتہ نبی سے قائم ہو جانے پر کوئی مومن ازواج رسول سے احترام کی بناء پر نکاح نہیں کر سکتا تو نسبی رکھنے والی بنات رسول کا احترام کیا ہوگا لہٰذا جس طرح احترام رسول کی وجہ سے ازواج النبی سے نکاح ناجائز ہے۔ اسی احترام کی وجہ سے نبی زادیوں کا نکاح بھی غیر سادات سے حرام ہے۔ علت حرمت دونوں جگہ ایک ہے لیکن بنی فاطمہ کا احترام ازواج سے بھی زیادہ ہے۔

بوجہ غیر کفو:

اسلام میں صحت نکاح کے لیے مرد اور عورت کا ایک دوسرے کا ہم کفو ہونا ضروری ہے۔

1- جبکہ احادیث متفقہ کثیرہ سے ثابت ہے کہ اولاد رسول سادات نسب کے اعتبار سے تمام بنی آدم سے افضل بنایا گیا ہے لہٰذا تمام اقوام عالم کے افراد سیدزادیوں کے کفو نہیں جب غیر قوم سادات کی کفو نہیں ہے سیدزادی کا نکاح غیر سیدزادے سے کیسے ہو سکتا ہے۔

فریقین کی کتب میں کفاءت کے معنی موجود ہیں چنانچہ بحر الذخار کتاب النکاح میں درج ہے۔

''کفاءت کا معنی مماثلت ہے کہ مرد و عورت شرف اور پستی میں برابر ہوں اور برابری اجماعاً نکاح میں معتبر ہے۔''

جبکہ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ کتاب النکاح میں مذکور ہے۔

کفاءت کے معنی ہیں مرد عورت کے ساتھ چند امور میں برابر ہو اور وہ چھ ہیں۔

(1) نسب (2) اسلام (3) پیشہ (4) آزادی (5) پاکیزگی و شرافت (6) مال و دولت

اب دیکھیے ہم کفو ہونے کے لیے پہلی شرط مذہب اسلام کے فقہا کے قریب نسب کی برابری ہے۔)

2- منتھی الامال حصہ دوم میں شیخ عباس قمی نے بیان کیا ہے کہ امام موسیٰ کاظم و امام علی رضا و امام تقی علیہم السلام اپنی لڑکیوں کے نکاح سوائے اپنے کفو کے دوسرے کفو میں نہیں کرتے تھے۔ کتاب مناقب شہر آشوب و کتاب طراز المذہب مظفری در حالات عبداللہ ابن جعفر کہ امام حسن علیہ السلام نے یزید بن معاویہ کو عبداللہ ابن جعفر کی دختر کا رشتہ دینے سے انکا رکر دیا تھا کیونکہ بنی امیہ اولاد رسول کے ہم کفو نہیں ہیں اور دختر عبداللہ ابن جعفر کا نکاح چچا زاد قاسم سے کر دیا۔

یہاں بعض حضرات بڑی دلیری سے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنی دختران حضرت زینب و کلثوم علیہا السلام کا نکاح جعفر طیار کے بیٹوں عبداللہ و محمد سے کیا جو غیر سید فاطمی تھے اور ان کے نکاح کو جواز بناتے ہیں جبکہ فرمان نبوی ہے ان بنی عبدالمطلب بعضھم اکفابعض یعنی بے شک بنی عبدالمطلب میں بعض ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ (کتاب الشہاب) سید شہاب الدین سہروردی اس حدیث سے رسول اللہ نے بنی ہاشم کو بھی کفو سے علیحدہ کر دیا۔ مناقب شہر آشوب میں لکھا ہے "یعنی رسول اللہ نے علی و جعفر کی اولاد کو دیکھ کر فرمایا۔ ہمارے بیٹے ہماری لڑکیوں کے نکاح کے لیے مختص ہیں کبریت احمر جلد ثالث اور شیخ صدوق نے بھی العقائد میں اس حدیث کو درج کیا ہے

کہ رسول اللہ نے علی و جعفر کی اولاد کو دیکھ کر فرمایا کہ ہماری لڑکیاں ہماری لڑکوں کے لیے اور ہمارے ہی لڑکے ہماری ہی لڑکیوں کے لیے ہیں۔ پس احادیث نبوی سے ثابت ہوا کہ جعفر طیار اور حضرت علی ہم کفو ہیں۔ جعفر طیار حضرت علی کے بڑے بھائی ہیں۔ جن کو حضور نے ذاتی اوصاف کی بناء پر حبشہ کی ہجرت میں مہاجرین کا سردار اور مبلغ اسلام بنا کر بھیجا۔ جنہوں نے نجاشی شاہ حبش کو مسلمان کیا حضرت جعفر اسلام میں جنگ موتہ کے دوران اپنے دونوں ہاتھ کٹوا کر شہید ہوئے اور

رسول اللہ ﷺ نے پکار پکار کر کہا کہ اللہ نے جعفر ابن ابوطالب کو جنت میں پرواز کے لیے دو پر عطا کیے ہیں اور وسعت فردوس بریں میں پرواز کرتے ہیں۔ طیار لقب اسی وجہ سے ہے۔ جن سے ایک سنتی نماز جعفر طیار منصود ہے جس کو فریقین نے بھی روایت کیا ہے اور اس کا بہت اجر لکھا ہے۔

لہٰذا جعفر طیار اپنی ذاتی صفات اور رسول اللہ کے فرمان کے مطابق حضرت علی کے ہم کفو ہیں۔ جو جعفر طیار کو حضرت علی کے ہم کفو ہونے سے علیحدہ کرتے ہیں وہ توہین فرمان مصطفیٰ کرتے ہیں اور رسول اللہ نے امت کو اپنی لڑکیوں سے رشتے ناطے کرنے سے منع فرمادیا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید یعنی غیر کفو میں ناجائز اور باطل ہے چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر فاطمہ کے لیے خداوند عالم علی کو خلق نہ کرتا تو روئے زمین پر کوئی بھی اس کا کفو نہ ہوتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ روئے زمین پر کوئی بھی اس گھرانے کا کفو نہیں سوائے ان کے، جیسا کہ ضواء المعالی میں علامہ علی قاری حنفی سنی لکھتے ہیں کہ اولاد سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ تمام صحابہ کی اولاد سے افضل ہے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت فاطمہؑ کا رشتہ جب حضرت ابوبکر و عمر وغیرہم نے مانگا تو حضور ﷺ نے انکار کر دیا اور حضرت علیؑ کے لیے فرمایا کہ اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کفو ہی نہ ہوتا۔ چونکہ صحابہ سیدہ فاطمہ کے ہم کفو نہیں تھے اس لیے حضور ﷺ نے انکار کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ مریمن کا نکاح نہ ہوا کیونکہ اس زمانے میں مریم بتول تھی اور اس کا کفو نہیں تھا جس کی وجہ سے نکاح نہ ہوا۔

بوجہ صدقہ حرام ہونے:

کتاب مراۃ العقول جلد ثالث میں عالم اجل فاضل بے بدل ابن جنید نے بھی سیدزادی کا نکاح غیر سید سے حرام قرار دیتے ہیں یعنی ابن جنید سے منقول ہے کہ جن حضرات پر صدقہ حرام ہے بوجہ قرابت رسول اللہ ان (سادات بنی فاطمہ) کی لڑکیوں کا نکاح بھی غیر قوم کے لڑکوں میں ہونا منع ہے تاکہ صدقہ حلال نہ ہو جائے جن پر صدقہ حرام تھا بوجہ تناسل کے یعنی اگر غیر قوم میں سیدزادیوں کا نکاح جائز قرار دیا جائے تو اس صورت میں جو بچہ پیدا ہوگا اس پر صدقہ حلال ہو جائے گا حالانکہ اس کی ماں پر صدقہ حرام ہے اور حلال و حرام دو متضاد چیزیں ہیں جو یکجا نہیں ہو سکتیں۔

علامہ محسن فیض کاشانیؒ آیہ خمس کی وضاحت فرماتے ہوئے مختلف احادیث پیش کرتے ہیں۔ ان احادیث اور فرامین معصومین کے خلاصہ کا مطلب ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام سے دریافت کیا گیا کہ ذی القربیٰ سے کون مراد ہیں۔ فرمایا ہم اور ہماری اولاد جن سے خمس باہر جا نہیں سکتا ہے کیونکہ صدقہ ہم پر حرام ہے اور خمس اس کا بدل ہے لہٰذا خمس کے جملہ حصص کے حقدار فقط سادات فاطمی ہیں کہ صدقہ جن پر حرام ہے لہٰذا نہ صدقہ ان پر حلال ہو سکتا ہے اور نہ خمس ان کے غیر یعنی غیر سید پر حلال ہو سکتا ہے چنانچہ سادات فاطمی کا کفو وہ ہوگا جس پر صدقہ حرام ہو اور خمس حلال دیگر ہم کفو نہیں ہوگا۔ کتاب معراج السعادۃ میں ہے کہ خمس واجب ہے اور حق سادات فاطمی ہے۔ اللہ نے اہل اسلام کے مال میں سادات کا حصہ مقرر فرما کر سادات کو فقر و فاقہ سے محفوظ رکھا۔ جو مسلمان خمس ادا نہ کرے وہ رسول اللہ ﷺ کا پیرو نہیں ہے۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے کتاب بحر الانساب میں سادات کی غیر سادات پر فضیلتیں بیان فرماتے ہوئے یہ خصوصیت بھی درج کی سیدزادی کا نکاح غیر سید سے ناجائز ہے کیونکہ ہر صورت میں سید غیر سید سے افضل ہے اور ان کا نسب تا قیامت باقی رہے گا۔ ان پر صدقہ حرام اور خمس حلال ہے۔ بوجہ قرابت رسول اللہ ﷺ ان کی عزت و تکریم کے لیے ضروری ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید سے جائز نہیں۔

بوجہ اسلام بلا واسطہ ہونے کے:

اسلام دو قسم کا ہے اسلام بلا واسطہ یعنی خدا کا سکھایا ہوا بالواسطہ یعنی انبیاء مرسلین ائمہ کا بتایا ہوا۔ کتاب مواعظ حسنہ میں زبدۃ العارفین علامہ شیخ عبدالعلی الہروی اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل نے دعا کی ربنا و اجعلنا مسلمین لک..... یعنی اے ہمارے پروردگار تو ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک گروہ ہماری طرح مسلمان بنا۔

یہ ظاہر ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم و اسماعیل دعا مانگ رہے تھے وہ مسلمان تھے اور خواہش ظاہر کی کہ ان کی اولاد سے ایک جماعت کو اسلام پر قائم رکھ یعنی جو اپنے لیے مانگا وہی اپنی اولاد کے لیے خاص گروہ مانگا اور یہ ثابت ہے کہ پیغمبر کا اسلام بلا واسطہ ہوتا ہے خدا اور اس کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا جبکہ عام مسلمانوں کا اسلام بالواسطہ ہوتا ہے یعنی عام مسلمان کسی پیغمبر امام یا عالم کے ذریعے مسلمان ہوتے ہیں لیکن نبی نہیں پس معلوم ہوا جناب ابراہیم اپنی خاص ذریت کے لیے اپنی طرح بلا واسطہ اسلام کی خواہش ظاہر کی تھی اور اس جماعت کی خاص نشانی بھی بتا دی کہ ربنا

وانعث فیھم رسولاً منھم ..... کہ پروردگار ان میں ایک نبی مبعوث فرما جو تیری آیات کی تلاوت کرے اور یہ ثابت شدہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی اولاد سے حضور ﷺ مبعوث ہوئے لہٰذا حضور ﷺ کی نسل کا اسلام دعائے ابراہیم کے مطابق بلاواسطہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ بنی ہاشم میں اجداد رسول خدا و علی ابن ابی طالب کا اسلام بلاواسطہ ہے پس اولاد رسول کے ساتھ اسلام میں وہ گھرانہ ہم کفو ہوگا جس کے آباواجداد کا اسلام ان کے آباواجداد کی طرح اسلام بلاواسطہ ہوگا۔ اگر ایسا نہیں تو اولاد رسول و علی ابن ابی طالب کے اسلام بلاواسطہ میں کوئی اور قوم ہم کفو نہیں لہٰذا جب کوئی قوم ہم کفو نہیں تو نکاح بھی غیر قوم میں ناجائز اور باطل ہوگا۔

شرح لمعہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب جلد دوم کتاب النکاح میں منقول ہے کہ شرائط نکاح میں چودھواں جواز نکاح کہ مرد و عورت اسلام و ایمان میں مساوی ہوں لہٰذا سادات کا ہم کفو وہ ہوگا جس کا اسلام ان کے اسلام کے مساوی ہو۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کفو ہی نہ روئے زمین پر ہوتا کیونکہ دونوں کا اسلام بلاواسطہ ہے۔

بوجہ دستور اسلاف:

ابتداء سے لے کر ہنوز اولاد حسنین علیہم السلام اپنی لڑکیوں کا نکاح سادات بنو فاطمہ صحیح النسب کے علاوہ اور کسی سے نہیں کرتے کیونکہ اسلام میں نسب کے اعتبار سے ان کا اور کوئی ہم کفو نہیں ہے۔ سادات عالی درجات جائز نہیں قرار دیتے کہ ان کی لڑکیوں کا نکاح غیر سید سے طے پائے اور ابتداء سے لے کر اب تک سادات کا یہی دستور عمل رہا ہے۔ ان میں بزرگ سادات صلحا اقطاب اولیاء تھے جن کی مخالفت کرنا کسی طرح بھی جائز ہیں پس ہم کو ان کی سیرت و اعمال کی اقتدا کرنا چاہیے کیونکہ باعث علم صدری معصومین سے حاصل کرنے سے ان کی نظر اسرار شریعہ پر پہنچتی ہے۔ جن تک فقہ محض کی نظر نہیں پہنچ سکتی جب ایسے بزرگ سادات جو علوم شرعیہ میں اور فقہ میں کمال رکھتے تھے انہوں نے سیدزادی کا غیر سید سے نکاح جائز قرار نہیں دیا اور نہ عملی طور پر ایسا ہونے دیا تو اب کیونکر ایسا ممکن ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ کچھ حضرات قائلین جواز ہیں۔ سو علماء میں اکثر مسائل دینیہ میں اختلاف رہتا ہے اور نہ یہ علماء معصوم ہیں کہ جن سے غلطی یا سہو ممکن نہ ہو جبکہ اس بارے علماء کا قول ہے کون سا عالم ہے جس سے لغزش نہیں ہوتی اور کون سی تلوار ہے جو کبھی اچٹ نہیں ہوتی اور کون سا رہوار

ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتا۔ جن علماء نے سیدزادی کا نکاح غیر سید سے جائز لکھا ہے وہ حالت اضطرار میں جائز کہا ہے جیسے بعض حالتوں میں خنزیر کا گوشت جائز ہے کہ جب غذا میسر نہ ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے لیکن جب غذا میسر ہو تو سور کا کھانا کیسے حلال ہو سکتا ہے۔ لیکن تاریخ میں اس کے بھی برعکس حقائق موجود ہیں

یہاں ایک غیر معصوم سید فاطمی سید عیسیٰ بن سید زید شہید بن امام زین العابدین کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ جو تاریخ الآئمہ اور عمدۃ المطالب فی انساب آل ابوطالب میں درج ہے کہ سید عیسیٰ اپنے والد سید زید شہید کے بعد سلاطین بنی امیہ کے ظلم و فجور سے خائف ہو کر مختلف آبادیوں میں پھرتے رہے۔ آخر شہر کوفہ میں بود و باش اختیار کر لی اور وہیں کسی قبیلہ میں شادی کر لی اس عورت سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ حکومت وقت کے خوف سے اپنا نام و نسب ظاہر نہ کرتے تھے۔ اس لیے اہل کوفہ آپ کے حسب نسب سے ناواقف تھے لیکن ان کا زہد اور تقویٰ مشہور تھا جس سقہ کے یہاں ملازم تھے وہ مالدار تھا اس نے اپنے لڑکے کے لیے ان کی لڑکی سے شادی کا پیغام بھیجا۔ سید عیسیٰ رشتہ کا پیغام سن کر پریشان ہو گئے اور سوچنے لگے کہ آج خاندان رسالت کی یہاں تک ذلت ہونے لگی کہ سیدزادی غیر سید کی زوجیت میں داخل ہو آخر غمزدہ ہو کر تنہائی شب تاریک میں درگاہ قدس میں آہ و زاری کے ساتھ دعا کی کہ یا رب العزت تو خوب واقف ہے کہ میں سید ہوں تیرے رسول کی اولاد ہوں یہ عصمت و عفت و حرمت سادات کا سوال ہے یہ وقت میری لیے بڑا کٹھن ہے تو عالم غربت میں مددگار ہے۔ میری اس بیٹی سیدزادی کو اٹھا لے تا کہ میری عزت محفوظ ہو۔ دعا کے چند روز بعد لڑکی فوت ہو گئی۔

کتاب منتہی الآمال میں شیخ عباس قمی علیہ رحمہ درج کرتے ہیں کہ رضوی سادات حضرت امام موسیٰ کاظم اور امام محمد تقی جنہوں نے کفو نہ ہونے کی بناء پر اپنی لڑکیوں کے نکاح کسی سے نہ کیے۔ امام موسیٰ کاظم کی 21 بیٹیاں تھیں جو زیادہ تر جوانی میں وفات پا گئیں۔ چونکہ ظالم حکومتوں کی وجہ سے سادات چھپ گئے تھے لہٰذا کفو نہ ہونے کی بناء پر وحی الٰہی کے مطابق امام موسیٰ کاظم اور امام محمد تقی نے ان کے لیے وظیفے مقرر کر کے اللہ کی عبادت کا حکم فرمایا تھا۔

عقد اُم کلثومؑ:

بعض قائلین جواز اپنے نظریہ کی حمایت میں جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا کا عقد خلفیہ ثانیؓ سے بیان فرماتے ہیں حالانکہ جیسے بیان کیا جا چکا ہے کہ عقد کے لیے کفو ایک ایسی پابندی ہے کہ خلفیہ ثانیؓ نے خود بھی فرمایا کہ مہاجر سے انصار شرف میں کم ہیں لہٰذا عقد نہ کرے (ازالۃ الخلفاء 110) اور ویسے بھی جب حضور ﷺ نے مسئلہ کفاءت کی بناء پر خلیفہ اولؓ وخلیفہ دومؓ کو جناب سیدہ فاطمہ کا رشتہ دینے سے انکار فرما دیا ہو تو سیدہ کی اولاد بیٹی سے ان کا رشتہ کیسے ممکن ہے اور یہ امر متفقہ فریقین ہے کہ رسول خدا کا ہر قول وفعل وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ اِنَّ بنی عبدالمطلب بعضھم اکفا بعض یعنی بے شک بنی عبدالمطلب میں بعض آپس میں ہم کفو ہیں (کتاب شہاب) پھر فرمایا۔ فان علیا و جعفر جعلنا خیرھم کہ پس خدا نے مجھے علی وجعفر کو تمام بنی عبدالمطلب میں سب سے خیر یعنی بہتر وافضل بنایا۔ (کتاب بحار الانوار) پس ثابت ہوا کہ حضور علی وجعفر آپس میں ہم کفو ہیں لہٰذا ان کی لڑکیاں سوائے اپنے کفو کے کسی دوسرے کفو میں عقد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اسی لیے جناب ام کلثوم بنت علی کا عقد جناب جعفر طیار کے بیٹے جناب محمد بن جعفر طیار سے ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ غلط فہمی کیسے پیدا ہوئی۔ دراصل جس کمسن لڑکی ام کلثوم کا نکاح خلفیہ ثانیؓ سے ہوا وہ لڑکی ام کلثوم جناب ابوبکر کی بیٹیوں میں سے چھوٹی لڑکی تھی اس کی ماں اسماء تھی ابوبکر اپنی موت پر اسے حاملہ چھوڑ گئے تھے پس ام کلثوم خلیفہ اولؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں جب بڑی ہوئیں تو بی بی عائشہ سے خلیفہ ثانیؓ نے رشتہ مانگا جناب عائشہ نے خلفیہ ثانیؓ کے پیغام کو قبول فرمایا۔ بقول مصنف کتاب اسماء الرجال جناب خلیفہ اولؓ کی وفات 13 ہجری کو ہوئی تو 20 ہجری میں خلیفہ ثانیؓ نے ام کلثوم جن کی عمر اس وقت تقریباً 6 سال بنتی ہے عقد کیا۔ جناب ام کلثوم بنت ابی بکر اس نکاح کے تین سال تک زندہ رہیں اور 23 ہجری کو وفات پائی۔ کتاب ازالۃ العین کے صفحہ 92 پر ہے کہ ام کلثوم دختر جناب خلفیہ اولؓ کے بطن سے جناب خلفیہ ثانیؓ کی دو اولادیں رقیہ وزید پیدا ہوئیں اور ماں بیٹے نے ایک ہی دن وفات پائی۔ اسکے خلاف مواہب السعد امیں ہے کہ ام کلثوم بنت ابوبکر سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی اور وہ فوت ہو گئیں۔

ام کلثوم بنت علی کے حضرت خلیفہ ثانیؓ کے ساتھ نکاح کی غلط فہمی اس لیے بھی پیدا ہوئی

کیونکہ حضرت عمر کی ازواج میں چار ازواج کے نام ام کلثوم تھے۔

1- ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی محیط تفسیر کبیر جلد ششم

2- ام کلثوم بنت جردل خزاعیہ ان کے بطن سے عبداللہ زید پیدا ہوئے۔ تاریخ کامل ابن اثیر۔ کتاب واصابہ۔

3- ام کلثوم جمیلہ بنت عاصم بنت ثابت تاریخ خمیس

4- ام کلثوم بنت جناب ابی بکر۔ کتاب مواہب السعدا۔ لہٰذا نام ایک ہونے کی وجہ سے چند جھوٹے راویوں نے تاریخی مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ غلط فہمی کس نے پیدا کی جن لوگوں نے ام کلثوم بنت علی کے نکاح کا فسانہ گھڑا ان میں ابوصالح' زید بن سلمہ' لیث بن سعد' سفیان ثوری' امام زبیری بن بکار وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام لوگ آل رسول کے دشمن اور ان کی عظمت کو گھٹانے کے حربے استعمال کرتے رہتے تھے۔ کتب رجال اہل سنت میں آل رسول کے متعلق ان لوگوں کی پوزیشن یہ ہے۔

1- ابوصالح کو علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کاذب الحدیث لکھا ہے۔ امام نسائی اس کو برا جانتے تھے۔

2- زید بن مسلمہ یہ خلیفہ ثانیؓ خطاب کا غلام تھا۔ عبداللہ ابن عمر ان کو دروغ گو اور جھوٹا کہا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس کی تفسیر قرآن پر اعتبار نہ کرو یہ اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہے اور اہل مدینہ اس کو جھوٹا کہتے تھے۔ میزان الاعتدال جلد 1 صفحہ 152۔

3- لیث بن ساد کو امام نووی نے شرح مسلم میں مجہول لکھا ہے۔ عاصم بن عمر نے لکھا ہے کہ یہ سنان کا پوتا ہے جو معرکہ کربلا میں فوج یزید میں شامل تھا اور قاتل جناب امام حسین سلام تھا۔

4- سفیان ثوری کے متعلق ابن جوزی نے لکھا ہے کہ یہ امام جعفر صادق نے اس کو مجلس سے نکال دیا تھا کیونکہ یہ ہمیشہ ان کا مخالف رہتا تھا۔ تذکرۃ الخواص جبکہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ تدلیس کیا کرتا تھا ادھر کا مضمون ادھر اور ادھر کا مضمون لگا دیتا تھا۔

5- امام زبیری کے متعلق شرح ابن ابی طوبہ میں لکھا ہے کہ وہ مولا علی کو گالیاں دیا کرتا تھا اور بنی امیہ کی خواہش کے مطابق کام کیا کرتا تھا۔

6- زبیر بن بکار کے مطابق علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں درج کیا کہ زبیر بن بکار جھوٹی حدیثیں بناتا تھا۔

اب قارئین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو عقد ام کلثوم کے راوی ہیں ان کا آل رسول کے متعلق کردار کیا تھا اور معاشرے میں ان کی ساکھ کیا تھی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ مورخین و محدثین نے ایسے جھوٹے راویوں کی روایت کو مان کیسے لیا۔ شیخ علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یہ روایت عقد ام کلثوم بنت علی زبیر بن بکار نے گھڑی جو دشمن خاندان رسالت تھا لہٰذا ان لوگوں نے نام کی مماثلت کی وجہ سے ایسی تاریخی غلط فہمی پیدا کی ورنہ سیدہ فاطمہ نے جن کو اپنے جنازہ میں شامل ہونے سے منع فرما دیا تھا۔ ان سے سیدہ فاطمہ کی بیٹی کی شادی کیسے ممکن ہے اور ویسے بھی مسئلہ کفاءت کی بناء پر یہ بات ناممکن ہے کیونکہ فرامین حضور کے مطابق بنی عبدالمطلب کا نکاح غیر بنی ہاشم میں نہیں ہوسکتا ہے او رخلفیہ ثانیؓ غیر ہاشمی تھے۔

لہٰذا یہ فسانہ ان وجوہات کی بناء پر غلط اور بے بنیاد ہے۔ (1) خلیفہ ثانیؓ غیر ہاشمی ہونے کی وجہ سے سیدہ ام کلثوم کے ہم کفو نہیں تھے۔ (2) خلیفہ ثانیؓ کی 4 ازواج کے نام ام کلثوم ہونے سے تاریخی مغالطہ پیدا ہوا۔ (3) جس ام کلثوم سے خلیفہ ثانیؓ کا نکاح ہوا وہ ام کلثوم بنت ابوبکر تھیں جن کی والدہ اسما نے بعد وفات خلیفہ اولؓ حضرت علی نے نکاح کرلیا تھا اور ام کلثوم بنت ابی بکر بعد وفات خلیفہ اولؓ پیدا ہوئیں۔ (4) یہ کہ راویاں روایت اسما الرجال کے مطابق جھوٹے اور دشمن خاندان رسالت تھے۔

ام کلثوم بنت علی:

جناب ام کلثوم بنت علی کی ولادت جناب زینب کی ولادت کے دو سال بعد سن 8ھ میں 4 شعبان کو ہوئی۔ آپ سیدہ فاطمہ زہرا کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ آپ اپنی والدہ کی علم و اخلاق میں مجسم تصویر تھیں۔ آپ اپنی بڑی بہن جناب زینب کی موجودگی کی وجہ سے بوجہ آداب قائم مقام مادری خاموش رہتی تھیں۔ مولا علیؑ نے اپنی دونوں بیٹیوں کی شادی اپنے بھائی جناب جعفر طیار کے بیٹوں

سے کی جناب عبداللہ ابن جعفر سے جناب زینب کی شادی ہوئی جبکہ محمد ابن جعفر سے جناب ام کلثوم کا عقد ہوا۔ جناب ام کلثوم کے بطن سے تین اولادیں ہوئیں۔ دو فرزند اور ایک دختر یہ صغیر سنی میں وفات پا گئے۔ مولا علی کی حیات میں جناب محمد بن جعفر کا انتقال ہوا مزار مسیب میں ہے۔ مولا علی نے ان کو اپنی ظاہری خلافت کے زمانہ میں اپنے پاس رکھا کوفہ مین امیر المومنین کے کھانے کا یہی انتظام کرتی تھیں۔ کوفہ میں جناب زینب نے مستورات کا ایک مدرسہ بنایا تھا جس میں نابۃ الزہرا مستورات کوفہ کو احادیث تفسیر قرآن اور فقہ کا درس دیا کرتی تھیں۔ جناب ام کلثوم بھی فقہ اور تفسیر قرآن کا درس دیا کرتی تھیں۔ 21 رمضان المبارک 40 ہجری کو مولا علی اپنی وقت شہادت اس بیوہ بیٹی کو امام حسین کے سپرد کر گئے۔ بقایا زندگی انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ بسر کی۔ واقعہ کربلا کے وقت امام حسین کے ساتھ موجود تھیں۔ قید ہو کر کوفہ و شام گئیں اور رہا ہو کر مدینہ تشریف لائیں۔

◆•◆•◆•◆•◆

بیبیاں پاک دامناں (لاہور)

بی بی پاک دامناں لاہور شہر کے قدیم مزارات میں سے ایک مزار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت علی علیہ السلام کی بیٹی رقیہ زوجہ حضرت مسلم بن عقیل کا روضہ اقدس ہے اور ان کے ساتھ حضرت عقیل بن ابوطالب کی پانچ بیٹیاں بھی دفن ہیں۔ دیگر مزارات کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ان پاک بیبیوں کے چار محافظ اور ایک کنیز مائی تنوری کا مزار ہے۔

دربار حضرت بی بی پاک دامناں وقوع کے اعتبار سے لاہور شہر کے مرکزی علاقے شملہ پہاڑی کے نواح میں واقع ہے۔ شملہ پہاڑی سے اگر کوئین میری کالج کی جانب جائیں تو بائیں جانب پر راستہ حضرت بی بی پاک دامناں کے مزار کی طرف جاتا ہے۔ دیگر جانب سے بھی راستے دربار کی طرف جاتے ہیں۔ حضرت بی بی پاک دامناں کے مزار تک جانے کے لیے ایک تنگ گلی سے ہو کر جانا پڑتا ہے۔ داخلی دروازہ دربار کے جنوب مغربی کونے میں ہے۔

لاہور کی معلوم تاریخ ایک ہزار سال تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے قبل یہاں کیا تھا کسی قسم کے تحریری شواہد نہیں ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ لاہور کے ایک درجن قدیمی نام تاریخی کتب میں ملتے ہیں۔ لاہور کی ابتدائی بستی کے بارے میں بھی مختلف رائے موجود ہیں لہٰذا ایسی تاریخ کی بے بسی اور خستگی کے عالم میں حضرت بی بی پاک دامناں کے حوالے سے کچھ مستند معلومات کی توقع کرنا عبث ہے چنانچہ حضرت علی اور حضرت عقیل ابن ابی طالب کی اولاد سرزمین عرب سے یہاں کیسے پہنچی اس کے بارے لاہور کی تاریخوں اور تذکروں میں جو روایت درج ہے۔ وہ برصغیر پاک و ہند میں تاریخی اعتبار سے 681ء کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جب ہندوستان کے طول و عرض میں ہندو راجاؤں کی حکومت تھی۔ اس روایت کے متعلق کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ لاہور جہاں آج کل بی بی پاک

دامناں کا مزار ہے وہاں 680ء میں ایک ٹیلہ تھا جس کے گردونواح میں ایک جنگل تھا اور یہ جنگل دریائے راوی کے کنارے تک چلا گیا تھا۔ اس لاہور کے قریب ترین یہ جنگل تھا اور لاہور کی اس چھوٹی سی بستی میں ایک ہندو راجہ برمانتری حکومت کرتا تھا اور اس کے بیٹے کا نام راج کمار کنور بکر ماسہائے تھا۔ یہ راجہ اور اس کی تمام رعایا بت پرستی کرتی تھی اس بستی میں بتوں اور مورتیوں کے مندر تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ پوجا کرنے والے برہمن تھے اور حکمران راجپوت کھتری تھے۔ غریب اور اچھوت لوگ مندروں کے قریب نہیں جا سکتے تھے۔

یہ واقعہ کچھ یوں مشہور ہے کہ ایک دن اچانک مندروں میں رکھی ہوئی تمام مورتیاں اور بت اپنی جگہ سے نیچے گر پڑے حالانکہ ان کے گرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس کے علاوہ بعض مندروں میں جلائی جانے والی آگ جو ہمیشہ روشن رہتی تھی خود بخود بجھ گئی۔

ہندوؤں نے جب یہ علامات دیکھیں تو بستی میں کہرام مچ گیا۔ راجہ مہابرن (برمانتری) نے اپنے تمام منتریوں کو بلا کر اس واقعہ کی تحقیقات کا حکم دے دیا۔ جوتشیوں کو بلا کر اس واقعہ کے اسباب کی بابت پوچھا جوتشیوں کی تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ کچھ پردیسی لوگ کہیں سے آئے ہیں اور ان کا قیام جنگل کے ایک ٹیلے پر ہوا ہے۔ ان کی وجہ سے یہ ماجرا پیش آیا ہے۔ راجہ نے حکم دیا کہ ان پردیسیوں کو پکڑ کر دربار میں پیش کیا جائے۔ راجہ کے سپاہی ان کو پکڑنے کے لیے گئے تو دیکھا چند عورتیں ہیں جو چادروں سے منہ چھپائے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ چند محافظ ہیں جو ٹیلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ سپاہیوں نے ان کو گھیر لیا اور ساتھ لے جانے کے لیے اصرار کرنے لگے لیکن وہ محافظ جان دینے کو تیار تھے لیکن ان بیبیوں کو لے جانے نہیں دیا۔ ان کی زبان بھی اجنبی تھی اس صورتحال کو دیکھ کر کچھ آدمی وہیں ٹھہرے اور کچھ واپس راجہ کی خدمت میں گئے تاکہ اطلاع پہنچا کر تازہ حکم حاصل کر سکیں۔ اس کے بعد کوئی کارروائی کریں راجہ نے اپنے بیٹے راج کمار کنور بکر ماسہائے کو بھیجا اور حکم دیا کہ پردیسیوں کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کرے جب راجہ کا بیٹا وہاں پہنچا تو ان بیبیوں میں سے جو ایک سردار تھی اس نے راجہ کنور سے اسی کی زبان میں بات کی اور بتایا ہم لوگ اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی آل ہیں۔ کربلا میں نواسہ رسول کو قتل کر دیا گیا ہے اور رسول پاک کی آل کو قید کیا گیا ہے۔ ہم لوگ وطن مدینہ میں نہیں رہ سکتے اور ہجرت کر کے یہاں پہنچے ہیں۔ ہم کسی کو

ستانے کے لیے نہیں آئے بلکہ پناہ لینے آئے ہیں ہمیں یہیں پڑا رہنے دو۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو ہم کسی اور جگہ چلے جاتے ہیں۔ بی بی صاحب کو اپنی زبان میں بات کرتے سن کر راج کمار بڑا حیران ہوا ۔مزید پوچھنے پر پتہ چلا بڑی بی بی کا نام رقیہ بنت علی ہے جبکہ اس کے ساتھ پانچ باقی مستورات عقیل ابن ابی طالب کی بیٹیاں ہیں یعنی بڑی بی بی کے شوہر کی بہنیں ہیں۔ ان کے ساتھ ایک اور بی بی تھی جو ان کو روٹیاں وغیرہ لگا کر دیتی تھی جس کا نام حلیمہ تھا (بعد میں مائی تنوری کے نام سے مشہور ہوئی) چند محافظ تھے جن کے نام ابوالفتح ابوالفضل عبداللہ وغیرہ تھے۔ اس چھوٹے سے قافلے کو گرفتار کرنے کی مہم پر راجکمار آیا تھا۔ راجکمار اپنے باپ کے حکم سے مجبور تھا اور پردیسی راضی خوشی اس کے ساتھ چلنے کو تیار نہیں تھے۔ مجبوری کے عالم میں راجکمار نے زبردستی لے جانا چاہا تو بڑی بی بی نے غصے کے عالم میں راجکمار کی جانب دیکھا راجکمار اس کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا۔

راجکمار کے گرتے ہی راجہ کے سپاہیوں نے ان پر حملہ کرنا چاہا اسی وقت بڑی بی بی نے اللہ کے حضور دعا کی اور اس سے پہلے کہ راجہ کے سپاہی ان تک پہنچتے اور انہیں گرفتار کرتے اچانک زمین پھٹ گئی اور وہ پاک دامن بیبیاں اور خدام محافظ سب زمین میں سما گئے۔ یہ دیکھ کر راجہ کے آدمی حیران ہوئے اور خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے اور راجکمار جو بے ہوش تھا اسے ہوش میں لائے۔ راجکمار نے جب یہ کرامات دیکھیں تو اس نے واپس باپ کے پاس جانے کی بجائے ان پردیسیوں کے زمین میں سمانے والی جگہ کی مجاوری اختیار کر لی بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔ راجکمار کے چند ساتھی بھی اسلام لے آئے۔ راجہ مہابرن نے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن راجکمار اسی ویرانے میں بیٹھا رہتا اس مقام پر جھاڑو دیتا اور بیبیوں کے قبروں کے نشان بنائے۔

اس دوران بلہیم جاٹوں کا ایک قبیلہ اس نواح میں آ کر ٹھہرا۔ یہ لوگ مذہباً بت پرست تھے۔ ان کے سردار کا نام بابو تھا۔ اس کی لڑکی اپاہج تھی۔ ان دنوں تک ان پاک بیبیوں اور راجکمار کی شہرت دور تک پہنچ چکی تھی۔ بابو جاٹ بھی راجکمار سے اپنی بیٹی کی شفا کے لیے دعا کروانے آیا۔ راجکمار نے اپنے طریقے پر دربار پر حاضری دی اور دعا کی اس کے بعد بابو جاٹ کی طرف مخاطب ہو کر کہا اگر تیری بیٹی مسلمان ہو جائے تو میں شادی کرنے کو تیار ہوں۔ بابو جاٹ ویسے ہی لڑکی کو راجکمار کے قدموں میں ڈال دینا چاہتا تھا۔ شادی کی تجویز پر خوش ہوا۔ راجکمار نے نکاح کرنے کے بعد اپاہج

لڑکی کو لا کر دربار پر بٹھا دیا۔ رات کے اندھیرے میں ان پاک بیبیوں کی برکت سے اس اپاہج دلہن کے دنوں ہاتھ ٹھیک ہو گئے۔ دوسرے دن اس لڑکی کے باپ نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اپنے تمام قبیلے کے ساتھ پاک بیبیوں کے دین کو اختیار کر لیا۔ راجکمار بعد میں بابا خاکی کہلایا۔ اس کی اولاد صدیوں تک اس دربار کی مجاوری کرتی رہی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان بیبیوں کے ناموں کے ساتھ عرفیت بھی شامل ہوگئی۔ حضرت رقیہ کو بی بی حاج کہا جانے لگا اور جناب عقیل کی بیٹیوں کے اصل ناموں کی بجائے عرفیت مشہور ہوگئی یعنی بی بی تاج' بی بی حور' بی بی نور وغیرہ چنانچہ ان پاک دامن بیبیوں کے متعلق یہ روایات سینہ بسینہ اور ان کے دربار کے مجاوروں کی زبانی مشہور ہوگئیں اور صدیوں سے ان بیبیوں کے بارے یہی مشہور چلا آ رہا ہے۔

تاریخ لاہور پر قدیم ترین کتاب تحقیقات چشتی ہے جسے مولوی نور احمد چشتی نے 1284ء میں تحریر کیا تھا۔ بی بی پاک دامناں کے حوالے سے مصنف نے یہی تحریر کیا ہے کہ یہ بیبیاں حضرت علی اور حضرت عقیل ابن ابی طالب کی بیٹیاں ہیں اور تمام روایات نور احمد چشتی صاحب نے اپنی کتاب میں قلم بند کیں۔

ایک اور تاریخی کتاب ''لاہور اس کی تاریخ عمارتی کھنڈرات اور آثار قدیمہ'' بزبان انگریزی مولفہ شمس العلماء خاں بہادر سید محمد لطیف میں لکھا ہے کہ جناب رقیہ معروف حاج بی بی مولا علی داماد پیغمبر کی بیٹی تھیں۔ جو ہمراہ دیگر خواتین واقعہ کربلا کے بعد ہجرت کر کے ہندوستان وارد ہوئیں۔ بعض تاریخی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بیبیوں کو واقعہ کربلا کے وقت نو محرم کو امام حسین نے خود محافظوں کے ساتھ ہندوستان جانے کی ہدایت فرمائی جبکہ بعض کے مطابق سیدہ رقیہ بنت علی مدینہ منورہ سے بنی ہاشم کی تین سو خواتین اور بچوں کو لے کر کوفہ کی جانب شہدائے کربلا کی زیارت کے لیے روانہ ہوئیں۔ بعد ازاں آپ ابراہیم بن مالک اشتر کی سپاہ کے ہمراہ ساحل مکران پر 65 ہجری کو پہنچا دیا گیا۔ جناب رقیہ ان خواتین اور محافظوں کے ساتھ دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ سفر کرتی لاہور پہنچ گئیں۔ (پنجاب کا خانقاہی کلچر) بعض افراد کے نزدیک چونکہ امام حسین نے کربلا کے میدان میں شامیوں سے ہندوستان جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اسی لیے واقعہ حرہ سے پہلے 27 ذوالحجہ 63ھ کی رات امام سجاد نے اپنے باپ کے فرمان کو سامنے رکھتے ہوئے پھپھی رقیہ سے کہا کہ آپ ہندوستان چلی جائیں۔ تو بی بی ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔

خانقاہ کی تعمیر:

دربار بی بی پاک دامناں پر زائرین کی آمد کا سلسلہ ہندو راجاؤں کے دور حکومت سے لے کر مسلمان حکمرانوں کی آمد تک جاری رہا۔ ہندو راجاؤں کے بعد چونکہ مسلمانوں کو خاندان سادات سے عقیدت تھی اس لیے محمود غزنوی کے زمانہ بادشاہت میں اس کے گورنر ایاز نے اس مقام پر ایک پختہ روضہ تعمیر کروایا جس کی عمارت غزنوی طرز کی تھی۔ اس کے بعد اکبر بادشاہ نے بوجہ کہنگی عمارت اس خانقاہ کو دوبارہ تعمیر کروایا اور اس کی عمارت میں توسیع کی اکبر بادشاہ نے سابقہ حکمرانوں کی طرح کچھ زمینی رقبہ اس خانقاہ کے لیے وقف کر دیا۔ اس کے بعد وقت گزرتا گیا آخر 2 مئی 1994ء کو وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو نے دربار حضرت بی بی پاک دامناں کا دورہ کیا۔ گورنر ہاؤس میں اجلاس کے دوران جہاں دربار حضرت بابا فرید پاک پتن پر ترقیاتی کاموں کے احکامات جاری کیے وہاں حضرت بی بی پاک دامناں کے دربار کی تعمیر کے لیے محکمہ اوقاف کو احکامات جاری کیے۔ محکمہ اوقاف نے دربار پر ہونے والے ترقیاتی کاموں اور عوامی سہولیات کے لیے میسر جگہ پر ایک ماسٹر پلان تیار کیا اور تعمیراتی کمیٹی کے سامنے رکھا۔ اس طرح موجودہ تعمیر کا منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچا۔

دربار بی بی پاک دامناں پر اولیاء کی حاضری:

داراشکوہ نے اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں اس دربار کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ولی اللہ میاں میر کے حوالے سے داراشکوہ نے مزید معلومات فراہم کی ہیں کہ آپ اس قبرستان میں واقع بیر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ دربار کے احاطے کی مشرقی دیوار کے ساتھ ایک مقام اس حوالے سے مشہور ہے کہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری یہاں حاضری کے لیے آیا کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ داتا علی ہجویری روحانی فیض حاصل کرنے کے لیے ہر جمعرات کو یہاں تشریف لاتے اور چلہ کشی کرتے۔ آپ کی اس دربار بی بی پاک دامناں پر حاضری سے آپ کی عقیدت کا پتہ چلتا ہے چنانچہ مشہور ہے کہ آپ دربار بی بی پاک دامناں پر مزار مبارک سے چالیس قدم کے فاصلے سے گھٹنوں کے بل چل کر آتے اور اسی طرح واپس جاتے تھے۔

دیگر اولیاء میں حضرت شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی جن کا مزار میکلورڈ روڈ پر ہے بھی یہاں آتے اور کئی کئی گھنٹے عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔

چند مورخین کا اختلاف:

بعض مورخین میں جیسی منشی محمد دین فوق نے اپنی کتاب ''یادرفتگاں'' مطبوعہ 1904ء میں اور کنہیالال ہندی نے اپنی کتاب ''تاریخ لاہور'' جبکہ پیر غلام دستگیر نامی نے اپنی کتاب ''تاریخ جلیلہ'' میں اس بات کو رد کیا ہے کہ دربار حضرت بی بی پاک دامناں کے احاطہ میں مدفون بیبیوں کا تعلق کسی حوالے سے حضرت علی کرم اللہ وجہ یا ان کے برادر مسلم بن عقیل سے بنتا ہے۔ یہ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بیبیاں کرمان سے آنے والے سید احمد توختہ ترمذی کی صاحبزادیاں ہیں۔ ہمارے جد امجد سیادت پناہ سید احمد توختہ ترمذی مدفون لاہور اندرون اکبری دروازہ متصل چوک نواب صاحب محلہ چہل بیبیاں (چلہ بیبیاں) چھٹی صدی ہجری میں وارد ہندوستان ہوئے۔ پہلے آپ کا روزہ نہایت عالیشان سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا جو راجہ رنجیت نے بوجہ اسلام دشمنی دیگر مزارات کے ساتھ اس مزار کو بھی منہدم کرا دیا۔ سید احمد توختہ ترمذی صالح عابد انتہائی عالم و فاضل اور اہل عرفاء میں سے تھے آپ کا شجرہ نسب چند پشتوں کے بعد امام زین العابدین کے بیٹے حسین الاصغر محدث سے مل جاتا ہے۔ آپ ترمذ میں مقیم تھے کہ ایک دن عالم رویاء میں دیکھا کہ رسالت مآب ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہاں سے نکل کر ملک ہند میں جا کر دین کی تبلیغ کرو اور ہند میں تمہاری نسل کثیر ہوگی چنانچہ آپ چودہ افراد کی جمعیت لے کر جن میں آپ کے شاگرد بھی تھے ترمذ سے روانہ ہو کر مختلف مقامات سے گزرتے شیراز سے مکران پہنچے اور مکران سے لاہور آ گئے۔

چنانچہ حدیقۃ الاولیاء کا مصنف بحوالہ تذکرہ حاکمیہ لکھتا ہے کہ

''چھٹی صدی ہجری میں کرمان میں ایک شخص سید' خدا پرست' زاہد ولی اللہ سید احمد توختہ ترمذی لاہوری میں آ کر قیام پذیر ہوا اس کے گھر کچھ لڑکیاں بی بی حاج' بی بی تاج' بی بی نور' بی بی حور' بی بی شہباز تھیں۔ یہ تمام بہنیں تارک الدنیا عابدہ و زاہدہ تھیں۔ 604 ہجری میں سید احمد توختہ مر گیا لاہور کے اندر محلہ چہل بیبیاں میں مدفون ہوا اور اب تک اس کی قبر موجود ہے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی لڑکیاں لاہور سے باہر جا کر قیام پذیر ہوئیں اور لوگوں سے الگ عبادت حق میں مشغول ہو گئیں۔ آخر جب 615 ہجری میں سپاہ مغل نے سلطان جلال الدین خوازم پر لشکر کشی کی اور لاہور کی رعایا قتل ہوئی تو یہ بیبیاں گھبرائیں کہ اب نامحرم لوگ آ کر ہمیں بے پردہ کر دیں گے اور سب نے مل

کر خدا کے حضور دعا کی چنانچہ زمین پھٹ گئی اور یہ بیبیاں معہ اپنی خادمہ تنوری بی بی زمین میں سما گئیں۔

غلام دستگیر صاحب نے اپنی کتاب میں بی بی پاک دامناں کے حضرت علیؓ کی بیٹی ہونے کا انکار کرتے ہوئے عجیب بات درج کی۔ فرماتے ہیں:

''ایسے حالات میں جب لاہور میں کیا ہند میں کوئی مسلمان نہ تھا۔ کسی مسلمان عورت کو کیا پڑی تھی کہ وہ اسلامی ممالک سے رخ موڑ کر لاہور کا رخ کرتی۔ واقعہ کربلا سے پیشتر عرب مصر شام' عراق' ایران وغیرہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ اگر کسی بی بی کو شیعیان کوفہ کا خوف تھا کیونکہ انہی کے ہاتھوں کربلا کا ہوشربا واقعہ وقوع پذیر ہوا تھا اور انہیں اپنے قریبی رشتہ دار یزید کا بھی ڈر تھا حالانکہ آل ابی طالب سے جو مرد بچ کر دمشق پہنچے وہ اس کے گرویدہ ہو گئے۔ چہ جائیکہ عورتیں جن پر کسی غیور عرب نے حملہ کیا تو وہ کفرستان کا رخ کرنے کی بجائے حجاز کا رخ کرتیں۔

(رسالہ بی بی پاک دامناں از غلام دستگیر)

اسی طرح منشی محمد امین فوق نے اعتراض کیا کہ یہ نام عربی نام نہیں ہو سکتے جو ان بیبیوں کے ہیں اور حضرت علیؓ کی بیٹیوں کا لاہور میں آنا عقل نہیں مانتی ہے۔

اعتراضات کا تجزیہ:

معترضین مذکور بالا کے اعتراضات پر اگر غور کیا جائے تو ان کی تحریر میں تاریخی شواہد سے مدد نہیں لی گئی ہے جو ان کے تاریخی نابلد ہونے کا بین ثبوت ہے۔ مثلاً ان مورخین نے سید احمد توختہ کا چھٹی صدی ہجری میں لاہور میں آنا لکھا ہے تو پھر یہ مزارات چھٹی صدی ہجری بعد میں بنے ہوں گے جبکہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ یہ مزار چھٹی صدی ہجری سے پہلے ہیں جب محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا تو یہ مزار اس وقت موجود تھے جنہیں محمود غزنوی کے گورنر ایاز نے اپنے دور میں خود تعمیر کرایا لہٰذا یہ مزار چھٹی صدی ہجری میں آنے والے سید احمد توختہ کی بیٹیوں کے نہیں ہو سکتے ہیں۔

دوسرا اعتراض جو منشی محمد دین فوق نے اٹھایا کہ ان بیبیوں کے نام عربی زبان کے نام ہو ہی نہیں سکتے جس کا جواب جان اے سبحان نے اپنی کتاب Sufism, its Saints and shrines میں

دیا ہے کہ اس وقت ایرانی سلطنت تک مسلمان پہنچ چکے تھے اور شہر بانو حضرت امام حسین کی زوجیت میں آ چکی تھیں لہٰذا یہ نام بعید از قیاس نہیں ہو سکتے اور ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو حاج بی بی' تاج نور' حور یہ نام عربی ہیں نہ کہ غیر عربی۔ تیسرا یہ بات بھی دل کو نہیں لگتی کہ سید احمد تو ختہ ترمذی کے وصال کے بعد یہ بیبیاں شہر سے باہر ویرانے میں آ کر بس گئیں جبکہ ان کو علم تھا کہ ان کی عصمت و جان کی حفاظت ویرانے میں رہتے ہوئے آبادی کی نسبت اور زیادہ غیر محفوظ ہو جائے گی۔ چوتھا یہ کہ 615 ہجری میں سپاہ مغل نے سلطان جلال الدین خوارزم پر لشکر کشی کی اور لاہور کی رعایا قتل ہوئی۔ یہ بالکل غلط اور تاریخی لحاظ سے کم علمی کا ثبوت ہے کیونکہ یہ کسی طور پر تاریخی اعتبار سے ثابت نہیں ہے کہ منگول فوج جلال الدین خوارزمی کا پیچھا کرتے ہوئے لاہور تک پہنچی اور نہ منگول فوج کا وسیع پیمانے پر لاہور میں قتل و غارت کرنے سے متعلق کوئی بات تاریخ میں موجود ہے ورنہ تاریخ لاہور میں اس قتل و غارت گر کا کوئی معمولی اشارہ ہی مل جاتا جبکہ تاریخی حقائق سے ثابت ہے کہ منگول فوج نے سندھ تک شہزادہ جلال الدین خوارزم کا پیچھا کیا اس سے آگے نہیں۔

جبکہ غلام دستگیر صاحب کا اعتراض انتہائی مضحکہ خیز غلط اور ان کی تاریخ اسلام سے ناواقفیت کا بین ثبوت ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں کہ ایسے حالات میں جب ہند میں کوئی مسلمان موجود نہیں تھا وہ کفرستان میں کیوں آئیں۔ حالانکہ تاریخی اعتبار سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کے ظاہری دور خلافت میں مسلمان ہندوستان میں آ چکے تھے۔ (تاریخ بلازری روضۃ الصفا) اور یہ اعتراض کہ ان عورتوں نے اسلامی ممالک کا رخ کیوں نہ کیا تو دستگیر نامی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ جن مسلمانوں نے رسول اللہؐ کے نواسے کو کربلا کے صحرا میں شہید کر دیا ہو۔ کوفہ میں مولا علی کو خنجر کے وار سے شہید کیا ہو اور مولا حسن کو زہر سے شہید کرایا ہو۔ جن مسلمانوں نے عترت رسول کو شہر بہ شہر پھرایا ہو ایسے غیور مسلمانوں سے کیا توقع کی جا سکتی تھی کہ بیبیاں اس طرف رخ کرتیں پھر غلام دستگیر صاحب نے ان بیبیوں کو یزید کا قریبی رشتہ دار بتایا گیا ہے جو بالکل سفید جھوٹ ہے کیا مصنف صاحب فرزند رسول امام حسین اور یزید کے درمیان قریبی رشتہ داری کی وضاحت کر سکتے ہیں جبکہ قرآن میں آل رسول کو شجرہ طیبہ قرار دیا گیا ہو اور بنی امیہ کو شجرہ ملعونہ کہا گیا ہو تو یہ آپس میں قریبی رشتہ دار کیونکر ہو سکتے ہیں اور بقول مصنف مذکور کہ بنی امیہ کبھی بھی بنی ہاشم سے نہیں الجھے یہ ان کی غلط بیانی جھوٹ اور تاریخ

سے ناواقفیت اور ثبوت مل جاتا ہے کہ بنی امیہ ہمیشہ بنی ہاشم سے لڑتے رہے۔ تاریخی طور پر یہ ثابت شدہ ہے کہ ابوسفیان ساری زندگی حضور ﷺ سے جنگیں کرتا رہا۔ فتح مکہ کو ڈر کر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا پھر اس کے بیٹے معاویہ نے حضرت علیؑ سے جنگیں کیں اور کربلا میں یزید نے امام حسینؑ کو شہید کرایا۔ کیا ایسے تاریخی شواہد کے بعد مصنف مذکور کی بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ بنی امیہ کبھی بنی ہاشم سے نہیں الجھے لہٰذا مصنف مذکور کے اعتراضات سے ثابت ہوا کہ شاید اپنی معاشی مجبوری کے تحت انہوں نے اس غلط بیانی سے کام لیا ہے یا پھر جان بوجھ کر شیعہ سنی اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

تاریخ میں ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے کبھی اولاد محمد و آل محمد کی تعداد کے حوالے سے اور کبھی ان کی جائے مدفن کے حوالے سے لیکن تاریخی لحاظ سے یہ بات درست اور تسلیم شدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صاحبزادیوں کے نام رقیہ تھے رقیہ کبریٰ زوجہ جناب مسلم بن عقیل جن کا مزار اقدس دمشق میں ہے جبکہ دوسری سیدہ رقیہ صغریٰ زوجہ عبدالرحمٰن بن عقیل جن کی زیارت گاہ مصر میں ہے جہاں تاریخی شواہد کی بنیاد پر وثوق سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حضرت علیؑ کی بیٹی جناب رقیہ کا مزار ہے۔ وہاں سادات کا مختلف بلاد میں بکھرنا اور ان کے مزارات کا مختلف ملکوں میں پائے جانے سے قطعی طو رپر یہ انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ حضرت علی و حضرت عقیل کی بیٹیاں نہیں ہیں کیونکہ بنی امیہ کے مظالم' واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ جیسے حالات کے بعد اولاد رسول کا مختلف بلاد میں پہنچنا بعید از قیاس نہیں ہے جبکہ دوسری طرف ان بیبیوں کا سید احمد توختہ ترمذی کی بیٹیاں ہونا قطعی غلط' بے بنیاد اور تاریخی اعتبار سے جھوٹا ہے اور ایسا مغالطہ صرف اختلاف پیدا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ یہ دربار تاریخی اعتبار سے انتہائی قدیم ہے۔ جیسا کہ کہنیالال ہندی نے لکھا ہے کہ ''مزار بی بی پاک دامناں لاہور کے تمام مزارات و مقابر اہل اسلام سے انتہائی قدیم اور متبرک مشہور ہیں جو سید احمد توختہ کی لاہو رامد سے پہلے کا ہے۔ اس کے علاوہ اور مورخین جانتے ہیں کہ تاریخ کو تسلیم کرنے کا اصول ہے جو روایت قدیم سے زبان زد عام ہو اور جس کو زیادہ لوگوں نے تسلیم اور روایت کیا ہو قابل تسلیم وثوق سمجھا جاتا ہے۔ صدیوں سے اس مزار کے مجاروں کے بیانات اور آواز خلق یہی ہے کہ یہ حضرت علی و حضرت عقیل بن ابی طالب کی ہی بیٹیاں ہیں۔ اس مزار پر نصب شدہ علم اور اس کا سیاہ پھریرا اس نسبت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا مذہب نسبتوں اور شبیہوں کے احترام کا قائل

ہے لہٰذا انکار کرنے والوں سے گزارش ہے کہ دربار بی بی پاک دامناں لاہور کو حضرت علیؓ کی بیٹی کی قبر کی شبیہ سمجھ سلام کر لیا کریں کیونکہ شبیہ کا احترام اصل کے احترام کے برابر ہے اور دوسرا اگر ان بیبیوں کو سید احمد توختہ کی بیٹیاں ہی تصور کیا جائے تو بھی یہ علی کی ہی بیٹیاں ہیں چاہے چند پشت نیچے سے علی کی بیٹیاں ہوں لہٰذا مزار بیبیاں پاک دامناں ہر لحاظ سے قابل تعظیم اور منبع فیض عام ہے۔

تاریخی مغالطے کا نتیجہ:

چودہ صدیوں سے جس مزار کے بارے میں مشہور تھا کہ مزار حضرت علیؓ کی دختر کا ہے اور زائرین یہی نیت لے کر یہاں حاضری کے لیے آتے ہیں۔ مورخین مذکورہ نے اس آواز خلق کے بالکل خلاف شاید سیاسی و معاشی مجبوریوں کے تحت اور تاریخی حقائق کے خلاف اس مزار کا تعلق سید احمد توختہ کی بیٹیوں سے جوڑا اور یہیں سے مزار پاک کا سلسلہ شیعہ سنی مسالک سے جوڑا گیا جو ان مورخین کی کوششوں اور اختلاف کا لازمی نتیجہ تھا۔ 1967ء کے آخر میں محکمہ اوقاف نے جب یہ دربار اپنے کنٹرول میں لیا تو شیعہ سنی باہمی اختلافات شروع ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ 1971ء میں شدید ہنگاموں کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ جھگڑے کا آغاز 27 اکتوبر 1971ء کو ہوا جب دربار پر پنجتن پاک اور خلفائے راشدین کے نام لکھنے پر اختلاف ہوا۔ شیعہ سنی اختلاف کو مٹانے کے لیے چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف 15 مارچ 1972ء کو درج ذیل احکامات جاری کیے۔

1- دربار شریف کے اندرونی احاطہ میں جہاں حضرت بی بی پاک دامناں کا مزار ہے فاتحہ قرآن خوانی پر کوئی پابندی نہیں ہوگی البتہ کسی مسلک کا کوئی فرد ایسی حرکت نہ کرے جس سے دوسرے کی دل آزاری کا باعث ہو۔

2- دربار شریف کو سنی وقف کے طور پر محکمہ اوقاف نے اپنے انتظام میں لیا تاہم شیعہ مسلک کے عقیدت مندوں کو رسومات کی ادائیگی مجالس عزاداری کے انعقاد سے نہیں روکا جائے گا اور نہ ان کی دل آزاری کی جائے گی۔

3- دربار حضرت جلال الدین پر خلفائے راشدین کے نام لکھنے کی اجازت ہوگی۔

4- دربار حضرت بی بی پاک دامن کے اندرونی صحن پر مجالس میلاد مجالس عزاداری کے انعقاد کی اجازت نہ ہوگی۔

5- مجالس میلاد کا انعقاد تسبیح خانے والے صحن میں ہوگا جبکہ مجالس عزاداری مسجد کی مغربی جانب مائی تنویر کی قبر ہے منعقد ہوں گی۔

6- دربار پر کسی قسم کا بورڈ آویزاں نہیں کیا جائے گا۔

اس کے بعد خصوصی احکامات جاری کرتے ہوئے دیگر احکامات جاری فرمائے۔

1- خصوصی مجالس عزاداری اور خصوصی مجالس میلاد صحن میں محکمہ کی پیشگی اجازت کے ساتھ سال بھر میں تین چار مرتبہ منعقد ہوں گی۔

2- مجالس عزاداری و مجالس میلاد کے سپیکر کے استعمال کی ممانعت ہوگی۔ اس کے لیے محکمہ سے پیشگی اجازت لینا ہوگی۔

اب دربار کے احاطہ میں یکم تا دس محرم الحرام مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔ جن کا انعقاد محکمہ اوقاف کرتا ہے۔ لنگر اور سبیل کا خصوصی انتظام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ 6 جمادی الثانی کو سالانہ عرس کی تقریبات ہوتی ہیں۔ 9 ذوالحجہ کو بی بی پاک کے شوہر مسلم بن عقیل کی شہادت کے سلسلے میں بی بی کو پرسہ دیا جاتا ہے۔

◆•◆•◆•◆•◆

سندھ میں اسلام

ہماری تاریخ میں بیشتر حقائق پر مورخین نے پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور بادشاہوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے غلط حقائق لوگوں تک پہنچائے ہیں اور تاریخ میں کسی کے کارنامے کو دوسرے کے سر سجا دیا۔ ایک کی فضیلت کو اپنے پسندیدہ شخص سے منسوب کر دیا۔ یہ ہمیشہ سے بکے ہوئے قلموں اور بادشاہوں کے دسترخوانوں کی ہڈیاں چوسنے والوں کا رویہ رہا ہے۔ مورخین کی دیگر غلط بیانیوں میں ایک سندھ کی فتح کا سہرا حجاج بن یوسف کے کارناموں میں درج ہے اور یہ کہ حجاج بن یوسف کے دور میں اس کے بھتیجا نے پہلی بار سندھ کو فتح کیا اس طرح اس کی فتح کے ساتھ سندھ میں اسلام پھیلا۔ جبکہ یہ کہنا غلط ہے کہ سندھ میں اسلام حجاج بن یوسف کے دور میں پہنچا بلکہ سندھ میں اسلام خلفائے راشدین حضرت علی کے دور خلافت میں پہنچا تھا۔ حضرت علیؑ نے 38 ہجری میں جناب قاسم بن محمد کی ماتحتی میں لشکر بھیجا آپ نے سندھ کے بعض علاقے فتح کیے۔ (روضۃ الصفا، ابن اثیر) یہ یہاں اسلامی حکومت قائم کر کے یہیں شہید ہو گئے۔ ان کے بعد جناب حارث بن مرہ عبدی دارالخلافہ اسلامی کوفہ سے بحکم جناب امیرالمومنین حضرت علیؑ فوج کثیر لے کر حملہ آور ہوئے انہوں نے تمام سندھ پر قبضہ کر لیا اور کچھ گرفتار سندھیوں کو بارگاہ امیرالمومنین میں بھیجا۔ کثیر مال غنیمت غلام اور لونڈیاں ہاتھ آئے۔ جناب حارث بن مرہ عبدی سندھ کی فتح سے پہلے جنگ صفین میں ایک فوجی دستہ کے سالار بھی رہے ہیں۔ حارث بن مرہ عبدی سندھ کے پہلے اسلامی حکمران رہے جن کو حضرت امیرالمومنین علیؑ نے اپنی طرف سے مقرر کیا (تاریخ بلازری)

پروفیسر غلام رسول صاحب نے بھی تنویر الاسلام میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سندھ مین اسلام خلفائے راشدین کے دور میں پہنچ چکا تھا۔ اس وقت سندھ کا علاقہ ملتان تک پھیلا ہوا

تھا۔حارث بن مرہ عبدی نے بحکم امیر المومنین یہاں اسلام پھیلایا اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں صحابہ کے تبلیغی قافلے بھیجے۔ جنوبی ہندوستان میں اب صحابہ نے ایک مسجد بھی تعمیر کی جو آج بھی موجود ہے۔ علاقہ سندھ کے لوگوں میں جناب حارث بن مرہ عبدی کی مروت ایثار اور عدل و انصاف اور اخلاق سے لوگ متاثر ہوئے۔ اس طرح اس علاقے میں اسلام اور مولا علی کی محبت جڑ پکڑ گئی۔

محمد بن قاسم سندھ کیوں آیا

مورخین نے لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف نے درج ذیل وجوہات کے باعث محمد بن قاسم کو لشکر دے کر سندھ بھیجا۔ ان وجوہات پر غور فرمائیے۔

(1) ایک تجارتی قافلہ سراندیپ سے عورتوں اور بچوں کا آرہا تھا جسے بحری ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ ایک عورت کی زبان سے بے اختیار فریاد نکلی کہ حجاج بن یوسف ہماری مدد کر۔ حجاج بن یوسف تک جب اس مظلوم عورت کی فریاد پہنچی تو اس نے کارروائی کا حکم دیا۔ یہ قصہ کتنا مضحکہ خیز ہے کہ حجاج بن یوسف ایک مظلوم عورت کی قید برداشت نہ کر سکا اور اس ظلم کے خلاف فوج کشی کی حالانکہ مورخین نے خود لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف کے مظالم سے ہزاروں لاکھوں خواتین اسلامی حکومت میں بیوہ اور ظلم کا شکار ہو رہی تھیں۔ ان کے شوہروں ں کو سر عام ذبح کیا جا رہا تھا۔ ان کے گھروں کو جلایا جا رہا تھا۔ عورتوں بچوں کو بے گھر کیا جا رہا تھا۔ مسلمان خواتین کو بیوہ کیا جا رہا تھا اور ان کو ظلم کا نشانہ بنا رہا تھا۔ عزت پر حملے ہو رہے تھے۔ ایسے انسان کو اس انداز سے پیش کرنا کہ وہ ایک مسلمان عورت پر ظلم برداشت نہ کر سکا اور فوج کشی کی بالکل احمقانہ اور مضحکہ خیز ہے۔

دوسری وجہ مورخین نے درج کی ہے کہ چونکہ سندھ کا راجہ داہر ہندو تھا اور عوام میں زیادہ بدھ مت کے پیروکار تھے لہٰذا وہ بدھ مت کے ماننے والوں پر ظلم کرتا تھا۔ یہ بات بھی کتنی خلاف عقل معلوم ہوتی ہے کہ غیر مسلم رعایا پر راجہ کا ظلم حجاج سے برداشت نہ ہوا اور جذبہ ہمدردی کے ساتھ محمد بن قاسم کو لشکر دے کر سندھ بھیجا حالانکہ مورخین نے حجاج کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے اپنے دور حکومت میں کسی مسلمان کا جان و مال محفوظ نہ تھا۔ حجاج حد درجہ ظالم سفاک اور جاہ پسند تھا۔ اس کے مظالم سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ انسانی جان کی حرمت اس کے نزدیک کچھ معنی نہ رکھتی تھی۔ اس نے لاکھوں بے گناہوں کے لہو سے اپنے ہاتھ رنگے اس نے کعبے کی حرکت کی کوئی پرواہ نہ کی اور

صحابیوں اور ان کی اولاد کو قتل کرنے کے لیے اس نے کعبہ پر سنگ باری کی جس سے کعبہ کا بڑا حصہ منہدم ہوگیا۔ وہ عراقی اور عجمی مسلمانوں کا شدید دشمن تھا وہ خود کہتا کہ لوگوں کا خون بہانے میں مجھے لذت محسوس ہوتی ہے جب وہ پیدا ہوا تو ماں کے دودھ کو اس نے منہ نہ لگایا حکماء نے تجویز کیا کہ اس کو بھیڑیا کا خون پلایا جائے چنانچہ تین دن مسلسل اس کو بھیڑیئے کا خون پلایا گیا۔ خلیفہ ثانیؓ بن عبدالعزیز کا قول ہے کہ اگر دنیا اپنے تمام خبیث لے آئیں تو ہم ان کے مقابلے میں اکیلا حجاج کھڑ اکر کے بازی لے سکتے ہیں۔ صحابہ کا بے دردی سے قتل سادات اور شیعان علی کو سرعام قتل کرنا۔ لکھا ہے کہ اس کے دور حکومت میں ڈیڑھ لاکھ بے گناہ قتل ہوئے جبکہ تقریباً ایک لاکھ بے گناہ قیدی تھے جو جیلوں میں سڑ رہے تھے لہٰذا جو شخص مسلمان رعایا کے لیے جذبہ ہمدردی نہ رکھتا ہو وہ غیر مسلم رعایا کے لیے جذبہ ہمدردی رکھتا ہو تعجب کی بات ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایک بدترین ظالم پیدا ہوگا جس کا نام حجاج ہوگا۔ (ترمذی)

مورخین نے تیسری وجہ سندھ پر حملے کی جو بیان کی ہے قابل غور ہے کہ عرب حکومت کے کچھ باغیوں نے راجہ داہر کے پاس سندھ میں پناہ لے لی تھی۔ حجاج کے بارہا اصرار کے باوجود راجہ داہر ان باغیوں کو واپس نہیں کر رہا تھا۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس وجہ پر غور فرمائیں وہ باغی کون تھے جن کو حجاج واپس طلب کر رہا تھا۔ وہ باغی اولاد رسول اور شیعان علی تھے جو حجاج کے مظالم سے تنگ آ کر اپنی جان بچانے کے لیے سندھ چلے آئے تھے۔ چونکہ خلافت مولا امیر میں سندھ فتح ہو چکا تھا اور اس کی عوام میں علی و اولاد علی کی محبت پیدا ہو چکی تھی لہٰذا یہاں لوگ سادات کو اپنے ہاں پناہ دیئے ہوئے تھے جن کو حجاج واپس طلب کر رہا تھا جب انہوں نے انکار کیا تو سندھ پر فوج کشی کی تو حجاج نے سادات کو قتل کرنے کے لیے اور علی کے ماننے والوں کی سرکوبی کے لیے محمد بن قاسم کو لشکر دیکر بھیجا ورنہ راجہ داہر تو کراچی میں مارا گیا محمد بن قاسم ملتان کیا لینے آیا۔ وہ یہاں سادات کی تلاش میں آیا تھا۔ ملتان کے نزدیک سادات مل گئے لیکن ان کی بزرگی پارسائی اور اخلاق سے متاثر ہو کر ان کو چھوڑ دیا۔ سرائیکی کتاب ''تاریخ مہڑ'' میں محمد بن قاسم کا یہاں ایک سید بزرگ کا مرید ہونا بھی درج ہے۔ یہ خبر جب عرب حاکم کو ملی تو اس نے محمد بن قاسم کو واپس بلا کر قتل کر دیا چنانچہ ''سندھ اور سید'' مصنف جی ایم سید بزرگ سیاستدان نے لکھا ہے کہ تاریخ اسلام پر پردہ ڈالنے کے لیے مورخین سراندیپ کے

تاجروں اور عورت کی فریاد کا قصہ گھڑا اور نہ اس وقت نہ سراندیپ اور عرب کے درمیان کوئی تجارت تھی نہ تاجروں کو ڈاکوؤں نے لوٹا تھا۔ یہ سارا فسانہ حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے سادات دشمنی میں گھڑا گیا حقیقت میں حجاج نے سادات کی تلاش میں محمد بن قاسم کو سندھ بھیجا تھا۔

بہرطور اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ سندھ میں ترک وطن کر کے سادات کا پہنچنا مسلم تھا اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا جو نہ ولید سے چھپا تھا اور نہ خون آشام حجاج سے جو ان دونوں کی ناگواری کا موجب تھا۔

سندھی بزرگوں میں ایک روایت سینہ بسینہ چلی آتی ہے کہ سادات چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم ہو کر اموی حدود سلطنت میں سفر کرتے اور سرحد پار کر کے ایک قافلے کی صورت اختیار کر لیتے پھر سیستان، بلوچستان اور مکران جہاں بن پڑتا وہاں اقامت اختیار کر لیتے۔ ان کا تقدس وتقویٰ غیر مسلمین کو بھی ان سے نفرت نہ کرنے دیتا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اپنا تعارف کراتے اور اسلام کا درس دیتے تو لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔

اور جو لوگ اسلام کی صداقت کو قبول نہ کرتے وہ بھی ان بزرگوں کی عظمت کو ضرور مانتے جن کی قبور اب بھی ان علاقوں میں جابجا مرجع خلائق ہیں۔

انہیں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو دریائے سندھ کے کنارے کھلے میدانوں میں پہنچے۔ ایک قافلہ راجہ داہر کے آدمیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا جو اس کے دربار میں حاضر کیا گیا اور اس نے حقیقت حال راجہ کے سامنے بیان کر دی۔ پیشانیوں پر سجدے کی علامات اور چہرے پر جھلکتا ہوا نور ایمان ان کا گواہ تھا جو راجہ پر ان کی صداقت کا اثر ڈالے بغیر نہ رہا۔ راجہ نے انہیں عزت واحترام سے رکھنے کی ہدایت کر دی۔

پھر وہ کئی بار اس کے سامنے حاضر ہوئے اور راجہ ان کے علم، زہد، پاکبازی سے متاثر ہوتا رہا۔ آخر اس نے انہیں اپنے درباریوں میں شامل کر لیا اور وہ سب اس کے معتمد بن گئے۔

اس کی خبر شدہ شدہ حجاج کو پہنچی تو اس نے ولید کی اجازت سے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور راجہ داہر کو لکھا کہ وہ اس کی حکومت کے باغی ہیں۔ انہیں حوالے کیا جائے۔

مبینہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ داہر نے اس مطالبے کا جواب بڑی نرمی سے دیا تھا

کہ سندھ کی تہذیبی روایت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے مہمانوں کو دشمنوں کے حوالے کردے پھر جب یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ رسولؐ عرب کی اولاد بھی ہیں اور بلند کردار بھی اور ابتوانہیں سندھی قومیت میں داخل کرلیا گیا ہے۔ لہٰذا انہیں عربوں کے حوالے کردیا گیا تو سندھ کی زمین مجھ سے محاسبہ کرے گی اس لیے بڑی معذرت کے ساتھ مجبوری کا اظہار کیا جاتا ہے۔

سندھ کے بزرگ عالم اور سن کی عظیم خانقاہ کے سجادہ نشین نے اپنی کتاب سندھو دیش مطبوعہ جی ایم سید اکیڈمی (۵۶، ۵۷) میں اس واقعہ کو اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کی معلومات کا ماخذ غالباً وہ کتابیں ہیں جو ان کے کتاب خانے میں موجود ہیں۔ ''سندھو دیش'' کے اکثر حصوں سے اختلاف کے باوجود بعض حقائق قابل تسلیم ہیں' ان میں یہ واقعہ بھی ہے۔

بزرگ عالم نے محولہ سادات کے قافلہ سالار کا نام محمد بن علفی تحریر کیا ہے اور اسی کے ساتھ راجہ داہر سے بنی امیہ کے اختلاف کے بعض دوسرے اسباب بھی بیان کیے ہیں۔

سندھ میں نسلاً بعد نسل چلی آنے والی روایت اور جی ایم سید کا بیان اتنی آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ ماضی کی تاریخ میں بھی اور آج بھی یہی ہوتا ہے کہ کسی ملک کا آدمی دوسرے ملک میں پہنچ جائے تو اولاً لذکر ملک دوسرے ملک سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے جیسا کہ خود سندھ کی تاریخ میں ابوجعفر منصور عباسی کے دور کا ایک واقعہ ملتا ہے کہ ہندو راجہ نے عبداللہ اشتر کو پناہ دی تھی جو منصور دوانیقی نے سزا دینے کے لئے اس پر فوج کشی کرادی تھی۔

ان حالات میں سادات کا راجہ داہر کی پناہ میں آنا مسلم ہو جاتا ہے اور اس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تاوقتیکہ سادات کے ان مقابر کو کھدوا نہ ڈالا جائے جن کا وجود ابتدائے دور بنی امریہ سے مکران و سندھ میں پایا جاتا ہے۔

سندھ میں عزاداری:

61 ہجری میں حضرت امام حسین کی شہادت اور اولاد رسول پر ظلم کی اطلاع 62 ہجری میں سندھ کے علاقہ میں پہنچی۔ تمام علاقہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ ہر طرف آہ وفغاں تھی ہر ایک کے دل میں انتقامی جذبہ ابھرنے لگا۔ چند دنوں کے بعد سندھ کے مختلف مقامات کے لوگ جن میں ملتان اور بھکر کے افراد شامل تھے۔ عراق کے مختلف مقامات پر حملے کیے لیکن تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے شہید ہو

گئے۔ عربوں نے ان کو دت قبیلوں کا نام دیا۔ بعدازاں سندھ کا ایک رئیس ساز وسامان کے ساتھ امام حسین کا پرسہ دینے کے لیے امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی بیٹی امام کی خدمت میں پیش کی۔ بعض مورخین نے اس خاتون کو حضرت زید کی والدہ حمیدہ خاتون بتایا ہے۔ امام حسین نے ان کو مظلومیت کی ساری داستان سنائی یہ روتے رہے اور بعدازاں واپس سندھ چلے اس طرح سندھ میں عزاداری امام زین العابدین کے زمانہ سے ہوگئی تھی۔ عہد بنی امیہ اور بنی عباس کے مظالم سے تنگ آ کر سادات اور شیعان علی نے سندھ کا رخ کیا چنانچہ بغداد اور دمشق سے ہجرت کرنے والی سادات کی دوسری صدی ہجری میں کافی تعداد ہو چکی تھی۔ یہاں پر سادات نے تبلیغ اسلام اور عزاداری مظلوم کربلا میں عظیم کارنامے سرانجام دیئے۔ سندھ، ملتان کی آبادی ان کے اخلاق اور کرامات سے متاثر ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ ان سادات کی تلاش میں حجاج نے محمد بن قاسم کو بھیجا تھا۔ سادات کرام سندھ میں آئے۔ یہاں سے اچ شریف جو پرانا سندھ کا شہر تھا اور اچ شہر سے تمام ہندوستان میں پھیلے۔ سرزمین ہند میں انہی سادات نے درویشی اور فقیری کے لباس میں اسلام کا پرچار کیا اور امام حسین کی عزاداری کو فروغ دیا۔ آج بھی وہ سادات جو یہاں آئے تھے ان کے مزارات پر مختلف عقیدہ کے لوگ قابض ہیں اور صاحب مزار کو سب اپنے عقیدوں کا بتاتے ہیں لیکن ان کی تعلیمات میں عزاداری اور اہل بیت رسول ولایت علی کی مخالف ثابت نہیں کر سکتے بلکہ ہر مزار پر مولا عباس کا علم لگا ہوا ہے کسی مزار پر سرخ پر کسی پر سبز اور کسی پر سیاہ پرچم لہرا رہا ہے۔ یہ سارے غازی سرکار کے علم ہیں کیونکہ غازی سرکار کا علم سبز تھا جب کربلا آئے۔ دس محرم کو یہی پرچم حالت جنگ کی وجہ سے سرخ ہو گیا کیونکہ سرخ رنگ کا پرچم جنگ جاری ہونے کی نشانی ہے۔ تبھی امام حسین کے روضہ پر آج بھی سرخ پرچم لہرا رہا ہے کیونکہ مولا حسین آج بھی یزیدیت کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہی غازی سرکار کا پرچم شام غریباں کو بی بی زینب نے اٹھایا تو سیاہ ہو گیا لہٰذا آج جو سید اور مومن حالت سوگ میں ہیں وہ سیاہ پرچم بلند کرتے ہیں جو حالت جنگ میں یزیدیت کے خلاف نبرد آزما ہیں وہ سرخ پرچم بلند کرتے ہیں اور جو سادات حالت تبلیغ میں ہیں وہ سبز پرچم بلند کرتے ہیں۔ دور حضرت علی علیہ السلام سے ملتان اور سندھ میں عہد بنی عباس تک اسلامی فاتح علماء مبلغ درویش آتے رہے۔ ان ایام میں سندھ کا دارالحکومت ملتان تھا۔ حکومت مولا علی میں سرحد کا علاقہ

غورشب کی اولاد کے قبضے میں تھا آل شنب کا رشتہ مولا علی سے تھا۔ دور محمود غزنوی تک غور (421 ہجری) کے علاوہ پورا سندھ آل شنب کے زیر حکومت تھا۔ خصوصاً اسمعیلیہ برسر اقتدار آئے۔ ملتان کی تین چار سو سال کی تاریخ پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ (پاکستان میں عزاداری سید ظہور الحسن زیدی)

سکوں کی دریافت:

ملتان کے نواح میں 1954ء میں کھدائی کے دوران کچھ چاندی کے سکے نکلے جن پر امام جعفر صادق علیہ السلام کا اسم مبارک کندہ تھا۔ یہ سکہ اس بات کی دلیل ہے اس دور میں یہاں ایسے حکمران کی حکومت تھی جو اہل بیت سے عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ سکے 133-134 ہجری کے دور کی ہیں دمشق و بغداد سادات کرام بنی امیہ اور بنی عباس کے مظالم سے تنگ آ کر ادھر ہجرت کی دوسری صدی ہجری تک آباد ہو چکے تھے۔ علوی ہاشمی وغیرہ تمام سادات شیعہ تھے۔ ہندوستان میں شیعیت کے خلاف مختلف تحریکوں سے سادات کو شیعہ مسلک سے ہٹا کر مختلف مکاتب فکر میں تقسیم کر دیا گیا۔ جو آج تک چلے آ رہے ہیں۔ (پاکستان میں عزاداری)

◆•◆•◆•◆•◆

سجدہ گاہ

پڑھتا ہوں جب نماز تو کہتی سجدہ گاہ
تم محسن نماز کا ماتم نہ بھولنا

قرآن مجید سورہ النجم کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا۔ (السجدة واجبه)

پس تم اللہ ہی کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

عربی لغت میں سجدہ کے معنی عاجزی کرنا فروتنی کے ساتھ جھکنا انکساری کرنا لکھا ہے مگر قرآنی لغت میں سجدہ کے معنی اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا' انکساری کرنا اور خاکساری کرنا درج ہے۔ کتاب لغت المنجد میں سجدہ کے معنی لکھے ہیں "عبادت کے لیے پیشانی زمین پر رکھنا۔" منتہی الارب میں ہے کہ زمین پر پیشانی رکھنے والا ساجد ہوتا ہے۔ کتاب لغت صراح میں سجدہ کے معنی لکھے ہیں۔ "زمین پر سر رکھنے کو سجدہ کہا جاتا ہے۔" جبکہ لغات فیروزی میں ہے کہ خدا کے سامنے سر جھکانا اور زمین پر سر رکھنا سجدہ ہے۔

اصطلاح شریعت میں سجود کو نماز کا خاص رکن قرار دیا گیا ہے اور اس کا اطلاق سجدہ نماز کے علاوہ سجدہ قرآن اور سجدہ شکر پر بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا نماز کا رکن رکین سجدہ ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ سجدہ ہی سے مسجد ہے ایسی عمارت جس میں نماز اور سجود ادا کیے جاتے ہیں۔ اگر سجدہ نہ ہو تو مسجد نہیں۔ ایک شخص کی جائے نماز کو مصلا کہتے ہیں۔ مصلی سے مراد نماز گزار ہے جبکہ سجادہ جائے سجدہ کو کہتے ہیں۔

سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے روئے زمین کو مسجد اور طہور بنایا گیا ہے۔ یہاں

یہ بات قابل غور ہے کہ جب ساری زمین مسجد ہے تو یہ الگ سے چھوٹی چھوٹی عمارتیں جو مساجد کہلاتی ہیں کیوں ہیں۔ اگر ہیں تو جائے نماز کی طرح جائے سجدہ کو بھی زمین سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ دوسری بات وہ یہ ہے کہ صرف ماتھا ٹیکنے کا نام سجدہ نہیں بلکہ سات اعضاء سجدہ کو ٹیکنے سے سجدہ کی صحیح شکل بنتی ہے اور پھر سجدہ کی حالت میں تسبیح کا پڑھنا سجدہ کے مقصود کا پتہ دیتا ہے اور صحیح سجدہ ماتھے کا زمین پر رکھنا ہے۔

سجدہ گاہ پر سجدہ کرنا:

شیعہ جب نماز پڑھتے ہیں تو سجدہ کی جگہ پر عام طور پر مٹی کی سجدہ گاہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ حضور اکرم ﷺ کی سنت سے ثابت ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ جب نماز پڑھتے تو سجدہ گاہ پر سجدہ کرتے تھے۔ احادیث میں لفظ خمرہ آیا ہے جس کا ترجمہ علماء نے سجدہ گاہ کیا ہے۔

بخاری شریف میں ام المومنین حضرت میمونہؓ سے روایت ہے۔

قالت و کان یصلی علی الخمرہ۔

ام المومنین فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ سجدہ گاہ پر سجدہ کیا کرتے تھے۔

(بخاری جلد 1' ص 118 ترجمہ علامہ عبدالحکیم جہانپوری)

پیغمبر اکرم ﷺ کا سجدہ گاہ پر نماز پڑھنا ایسی مشہور بات ہے کہ جسے بڑے بڑے محدثین نے اپنی کتب احادیث میں نقل کیا ہے۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ کی روایت صحیح بخاری کے علاوہ مسلم شریف میں بھی ہے۔ علامہ وحید الزماں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

''تمام فقہاء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ سجدہ گاہ پر نماز درست ہے۔ عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ ان کے لیے مٹی لائی جاتی وہ اس پر سجدہ کرتے اور ابن شیبہ نے عروہ سے بیان کیا ہے کہ وہ سوائے مٹی کے کسی اور چیز پر سجدہ کرنا مکروہ جانتے تھے۔'' (تیسر الباری شرح بخاری ج 1 ص 275)

امام بخاری نے بخاری شریف میں اور امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد میں الصلوٰۃ علی الخمرہ یعنی سجدہ گاہ پر نماز پڑھنا کے عنوان سے الگ الگ باب باندھا ہے۔ اس کے علاوہ ترمذی شریف میں ابن عباس سے حضور ﷺ کی سجدہ گاہ پر نماز پڑھنے کی روایت موجود ہے جبکہ امام مالک نے زمین کے علاوہ کسی اور چیز پر نماز پڑھنا مکروہ لکھا ہے۔

خمرہ سے مراد:

احادیث میں سجدہ گاہ کے لیے خمرہ کا لفظ استعمال ہوا ہے چنانچہ مولانا وحیدالزماں حیدرآبادی "لغات الحدیث" میں یوں لکھتے ہیں۔

خمرہ وہ چھوٹا ٹکڑا بوریے کا یا کھجور کے پتوں کا بنا ہوا جس پر ہر سجدے میں آدمی کا فقط سر آ سکتا ہے پھر تھوڑا آگے لکھتے ہیں کہ ابن الاثیر نے شرح جامع الاصول میں کہا ہے کہ "خمرہ سجدہ گاہ ہے جس پر ہمارے زمانے کے شیعہ سجدہ کرتے تھے۔" (لغات الحدیث ج 1 ص 113-136-133)

تہذیب الاحکام الجزء الاول کتاب الصلوٰۃ میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ سجدہ زمین پر فرض ہے۔ سونے اور چاندی پر سجدہ نہیں ہوتا پھر امام نے فرمایا کہ نہ سجدہ کرو مگر زمین پر یا اس پر جو زمین سے نباتات ہو مگر نباتات میں سے بھی سوتر سے بنی جاء نماز یعنی کتان اور کپاس پر سجدہ نہ کرو۔ ایک اور روایت میں ہے نہ سجدہ کر کسی ایسی شے پر جو طعام یا میوہ ہائے زمین سے ہو اور نہ ہی پر ہائے مرغان پر۔

الاستبصار کتاب الصلوٰۃ باب سجدہ میں امام کا قول ہے۔ ایسے مصلا پر قیام نماز کرنے میں کوئی حرج نہیں جو بالوں اور پشم سے بنایا سے گیا ہو۔ بشرطیکہ نمازی سجدہ زمین (یا خاک) پر کرے۔ پس اگر مصلا یا سجادہ نباتات زمین سے ہو تو اس پر قیام وصلوٰۃ وسجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تہذیب الاحکام ج اول میں ہے۔

جو زمین نہیں اس پر سجدہ جائز نہیں۔ مثلاً چمڑا' صوف (پشم کا کپڑا)' بالوں کا کمبل وغیرہ۔ سجدہ اس پر بھی جائز نہیں جو زمین کے اندر سے نکلتی ہوں مثلاً معدنیات نمک' عقیق سونا چاندی اور قیر (مگر بوقت ضرورت یعنی اضطراراً جائز ہے) اور سجدہ اس پر بھی جائز نہیں اگر کوئی چیز زمین میں اگتی ہو اور عادتاً کھانے کے کام آتی ہو مثلاً روئی' پھل' میوے وغیرہ کاغذ پر سجدہ جائز ہے بشرطیکہ کورا ہو۔ لکھے ہوئے کاغذ پر سجدہ مکروہ ہے۔

لہٰذا قرآن مجید کی آیات آئمہ معصومین کے فرامین اور علمائے ملت اسلامیہ کے اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ میں نمازی کی پیشانی زمین یا خاک پر ہو ورنہ سجدہ نہیں ہوتا اور جب سجدہ نہیں ہوتا تو نماز بھی نہیں ہوتی کیونکہ سجدہ نماز کا رکن رکین ہے۔

علامہ وحید الزماں خان کا اعتراف:

علامہ وحید الزماں لغات الحدیث کی پہلی جلد میں لکھتے ہیں۔

''میں کہتا ہوں اس حدیث سے سجدہ گاہ رکھنا مسنون ٹھہرا اور جن لوگوں نے اس سے منع کیا اور رافضیوں کا طریقہ قرار دیا۔ ان کا قول صحیح نہیں ہے میں تو کبھی کبھی اتباع سنت کے لیے پنکھ جو بوریے کا بنا ہوتا بجائے سجدہ گاہ کے رکھ کر سجدہ کرتا ہوں اور جاہلوں کے طعن و تشنیع کی کچھ پرواہ نہیں کرتا ہمیں سنت رسول اللہ سے غرض ہے کوئی رافضی کہے یا کوئی خارجی۔''

دوسری جگہ پر اہل حدیث عالم لکھتے ہیں۔

جس مسجد میں کپڑے کا فرش ہوتا ہے تو میں اکثر اس پر اپنا بوریا بچھا کر نماز پڑھتا ہوں بعض اہل سنت حضرات خواہ مخواہ مجھ پر لعن طعن کرتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم ایسی نماز کیوں نہ پڑھیں جو سب کے نزدیک جائز ہو اس میں زیادہ احتیاط ہے آنحضرت ﷺ سے کپڑے پر بھی نماز پڑھنا منقول ہے مگر فرائض کپڑے پر پڑھنا جائز نہیں گو صحابہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادت تھی کہ یا تو مٹی پر نماز پڑھتے یا بوریے پر۔

(لغات الحدیث)

خاک شفاء کی سجدہ گاہ:

ارض کے بعض قطعات فضیلت رکھتے ہیں جیسے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کربلا معلیٰ، نجف اشرف، کاظمین شریفین، سامرہ، قم معظم اور مشہد مقدس وغیرہ اسی کی دیکھا دیکھی برصغیر کے بعض مقامات کو بزرگ سمجھا گیا ہے۔ اجمیر شریف، پاک پتن شریف وغیرہ کیونکہ وہاں الیاء اللہ دفن ہیں۔ اول الذکر مقامات کے لیے قرآن حدیث سے دلائل موجود ہیں لیکن موخر الذکر کے لیے قرآن و حدیث سے دلائل نہیں دیئے جا سکتے ہیں۔ جذب القلوب فی دیار المحبوب پر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خاک مدینہ شفا ہے اسی لیے مدینہ کا ایک نام شافیہ بھی ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی احادیث اور اعلام نبوت میں شہادت حسینؓ اور ارض کربلا کے خاک شفا ہونے کی خبر ملتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب سر الشہادتین میں حسنینؓ شریفین کی شہادت دراصل رسول اللہ کی شہادت ہے۔ رسول اللہ کو شہادت کا درجہ حسنین شریفین کے ذریعے حاصل ہوا اور

جہاں شہداء دفن ہوتے ہیں اور جہاں کا خون بہایا جاتا ہے وہاں کی خاک مقدس اور عام مٹی سے افضل ہوتی ہے کیونکہ شہید کا خون زندہ و جاوید رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سے رزاق پاکر ہمیشہ سلامت رہتا ہے۔ چونکہ شہید توحید الٰہی کی گواہی دیتے ہوئے اور کلمہ حق کی سربلندی کے لیے شہید ہوتا ہے۔ اس لیے شہید کا جہاں خون گرتا ہے وہ مٹی زیادہ متبرک اور کہیں زیادہ بزرگ ہوگی۔ حضرت امام حسین چونکہ شہادت عظمیٰ پر فائز ہوئے اور اپنے مقدس خون سے خاک کربلا کو خاک شفا بنا گئے تو کہیں بہتر ہے کہ سجدہ گاہ خاک شفا کی ہو کیونکہ ایسی سجدہ گاہ میں خاکساری کے ساتھ ساتھ عقیدت مندی کی خوشبو بھی شامل ہوتی ہے۔ توحید پرستی اور خاکساری کی انتہا ہو جائے گی چنانچہ محمد و آل محمد علیہم السلام بھی شہید ہوئے لہٰذا ان مقامات مقدسہ کی مٹی کہیں زیادہ مقدس اور افضل ہے۔ الغرض خاک شفا چاہے مدینہ منورہ مدفن محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہو یا نجف اشرف مدفن علی المرتضیٰ کی یا کربلا معلیٰ مدفن حسین سبط رسول یا مشہد مقدس امام علی رضا کی ہو وہاں کی مٹی سجدہ گاہوں کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ زیارت ناحیہ میں امام زمانہ نے خاک کربلا کو خاک شفاء کہا ہے۔

آج سعودی عرب سے خاک شفا کی سجدہ گاہیں لے آنا ناممکن ہیں۔ اسی طرح زیارات کربلا و نجف اشرف وغیرہ سے بھی سجدہ گاہیں لانے پر کئی قسم کی قدغنیں ہیں۔ یہی حال پہلے زمانوں میں بھی تھا چونکہ عہد صفوی میں کربلا و نجف کی زیارات پر جانے اور وہاں سے خاک کربلا کی سجدہ گاہیں لانے سہولت ہوگئی تھی۔ اس لیے بعض کوتاہ بینوں نے سمجھا کہ یہ اسی عہد کی ایجاد ہے۔

اور چونکہ ابتداء سے ثابت ہو چکا ہے کہ زمین (خاک) پر ہی سجدہ کرنا واجب ہے اور آج اکثر مساجد کے فرش مرمر کی سلوں سے بنے ہوئے ہیں۔ مسجد الحرام کا فرش بھی مرمر کی سلوں سے بنا ہوا ہے۔ اسی کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر محمد اقبال نے کہا۔

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

مساجد میں فرش اور اعلیٰ قالین بچھے ہوئے ہیں بھلا خاک پہ سجدہ ریزی کیسے ہو لہٰذا سجدہ گاہ ضروری ہے۔ سجدہ گاہ چاہے مٹی کا ہو یا لکڑی کا یا پھر جائز نباتات کے پتے وغیرہ کا اور میٹوں میں خاک شفا افضل ہے لہٰذا سجدہ گاہ خاک شفا کی ہی بہتر ہے۔

◆•◆•◆•◆•◆

برمودا ٹرائی اینگل کی سریت

روحانیات اور مابعدالطبیعیات (Metaphysics) ایسے میدان اور موضوعات ہیں۔ جن کا شمار عام طور سے سائنس یعنی طبعی علوم میں نہیں کیا جاتا لیکن انہیں سے عام لوگوں کو سب سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ انہیں سائنس میں شمار کیا جائے یا نہ کیا جائے لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ان کے تعلق سے مختلف واقعات' حادثات اور تجربات کا مشاہدہ جن جن لوگوں کو ہوتا ہے۔ وہ ان کی صداقت اور حقانیت پر ایمان کی حد تک یقین رکھتے ہیں۔ بحراوقیانوس کے اندر امریکی ریاست فلوریڈا' برمودا اور بہاماز کے جزائر کے درمیان واقع مثلث نما بحری خطہ بھی گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے علمی اور سائنسی حلقوں کے لیے ایک چیلنج ہے۔ جو حلقے' ادارے یا افراد اس کی سریت کو سرے سے تسلیم نہیں کرتے وہاں پیش آنے والے واقعات اور بحری و ہوائی جہازوں کی کثیر تعداد کے غائب ہو جانے اور ان کے نام ونشان تک نہ ملنے کی کوئی خاطر خواہ اور تسلی بخش توجیہہ نہیں کر پائے۔

اکیسویں صدی میں کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں اہرام مصر فراعین اور ممیاں دنیا بھر کی سائنسی اور علمی حلقوں کے لیے ناقابل حل معمے بنے ہوئے ہیں۔ جن کے بارے میں ہزاروں کتابیں چھپ چکی ہیں لیکن ان کی پراسراریت اپنی جگہ برقرار رہے۔ اسی طرح برمودا ٹرائی اینگل امریکی ریاست فلوریڈا کے مشرقی سمت میں بحراوقیانوس میں جزائر برمودا کے قریب ایک مثلث نما علاقے جیسا ہے جہاں حیرت' خوفناکی اور پراسرایت کی حکمرانی ہے۔ ایک گم نام مگر سحر انگیز سمندری علاقہ ایک لاینحل معمے کی حیثیت سے زمین میں موجود ہے۔ ایک ایسے علاقے کی روداد جہاں وقت ٹھہر جاتا ہے۔ ایسے عجیب وغریب اور ناقابل یقین واقعات سے پر ایک ایسا علاقہ جہاں عقل انسانی بھی کچھ کہنے سننے سے قاصر ہے۔ ایک ایسا سمندری علاقہ جہاں سمندری جہاز' طیارے یا

کوئی بھی جاندار شے اس علاقے میں داخل ہوتے ہی اچانک غائب ہو جاتے ہیں اور کیوں ہوتے ہیں اس کا جواب ہمیں نفی میں ملتا ہے۔ بہر حال اہرام مصر کی طرح برمودا ٹرائی اینگل بھی اسی عہد کا ایک حل طلب راز ہے۔

کولمبس نے اپنی لاگ بک میں سفر امریکہ کے دوران برمودا کی پراسرایت کا ذکر کیا ہے جبکہ شیکسپیئر نے ابھی اپنے ڈرامے ''The Tempest'' میں برمودا کا ذکر کیا ہے۔

حل طلب سوالات:

جزائر برمودا کے متعلق درج ذیل سوالات حل طلب ہیں جن کا سائنسدان ابھی تک سراغ نہیں لگا سکے۔

سفید پانی:

برمودا کے بارے میں تقریباً تمام ہی شاہدین نے غیر معمولی سفید سفید پانی کا تذکرہ کیا ہے۔ چارلس برلیٹز نے کریسنٹ کے بارے میں جو واقعہ لکھا ہے۔ اس میں اس نے محسوس کیا تھا کہ پانی غیر معمولی طور پر سفید ہے اور اس کی سفیدی کئی میل سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اپالو بارہ کے خلابازوں نے فضا کی انتہائی بلندی سے برمودا کے آب سفید کو دیکھا تو بے ساختہ پکار کر کہنے لگے کہ سطح زمین سے نور کی کوئی آخری کرن نظر آ رہی ہے تو وہ برمودا مثلث کا آب سفید ہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سفید پانی کہاں سے آ رہا ہے۔ اس کا منبع کہاں ہے مگر آج تک معلوم نہیں ہو سکا البتہ اس کی لمبائی ایک میل تک ہے جو آہستہ آہستہ معدوم ہو جاتا ہے۔

وقت کا ٹھہرنا:

برمودا ٹرائی اینگل کی فضاؤں میں منڈلاتے ہوئے پراسرار طور پر وقت رکنے کے عمل بارے بارہا مشاہدات ہو چکے ہیں۔ ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ سکا کہ کیا اس علاقے پر سے گزرتے ہوئے ہوائی جہاز کے مسافر وقت کی کسی اور جہت میں چلے جاتے ہیں۔ بیشتر مشاہدین کے مطابق جزائر برمودا کے اس حصہ میں وقت ٹھہر جاتا ہے چنانچہ امریکی سائنسدان سینڈرسن کہتا ہے کہ نیشنل ایئر لائنز کا جہاز جو ایک سو ستائیس مسافروں کو لے کر میامی یعنی فلوریڈا کے ہوائی اڈے کے ریڈار پر شمال مشرقی

سمت سے ظاہر ہوا لیکن اچانک جہاز رڈار سے غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ جہاز دوبارہ نظر آیا لیکن جب وہ ہوائی اڈے پر اترا تو مسافروں میں وحشت اور بڑھ گئی جب انہوں نے اپنی گھڑیوں کو دیکھا تو وہ ہوائی اڈے کی گھڑیوں سے 10 منٹ پیچھے تھیں جب کہ بیس منٹ پہلے پائلٹ اور جہاز کے دوسرے عملے نے اپنی گھڑیوں کا وقت فلوریڈا کے کنٹرول ٹاور سے ملایا تھا چنانچہ ہوائی جہاز کا عملہ اور مسافر حیرت کے ساتھ ایک دوسرے سے پوچھتے پھرتے تھے کہ یہ دس منٹ ہم کہاں تھے۔

جہاز اور انسانوں کا غائب ہو جانا:

برمودا ٹرائی اینگل کے بارے جو سب سے پریشان کن اور حیرت ناک بات جو سائنسدانوں کو پریشان کیے ہوئے ہے۔ وہ اس علاقے میں جہازوں اور اس کے مسافروں کا پراسرار طور پر غائب ہو جاتا ہے۔ اس مشہور زمانہ علاقہ میں اب ہزاروں افراد اور سینکڑوں بحری اور ہوائی جہاز کوئی نشان یا سراغ چھوڑے بغیر غائب ہو چکے ہیں۔ آج تک نہ ہی ان ان جہازوں کی باقیات مل سکی ہیں اور نہ ان مسافروں یا ملاحوں کی لاشیں وغیرہ دستیاب ہوئی ہیں چنانچہ چارلس برلیز لکھتا ہے کہ غائب ہونے والے جہازوں کے عملہ کے صرف آخری الفاظ بھی سنائی دیئے کہ وہ کہاں ہیں سفید پانی کے الفاظ بھی سنائی دیئے اور اس کے بعد قطعی نافہم انداز میں ہمیشہ کے لیے غائب ہو گئے۔

سبز روشنی:

برمودا کے اسرار میں ایک خاص بات سبز روشنی یا نور کا ارتکاز بھی ہے۔ چاک ویکلی نے بھی سبز روشنی کے مشاہدہ کا تذکرہ کیا ہے۔ چاک ویکلی کے علاوہ بیسوں ہوابازبھی یہی کہتے ہیں کہ تحقیقاتی ٹیم میں مثلث برمودا کے فوٹو لینے بھیجا گیا تو حادثہ سے دوچار ہو گئے لیکن آخری الفاظ یہی تھے کہ ہمیں آب سفید کے درمیان ایک جزیرہ نظر آ رہا ہے لیکن اس جزیرہ سے ایسی زبردست سبز روشنی پھوٹ رہی ہے کہ ہم فلم نہیں بنا سکتے ہیں۔

ساحرانہ بادل:

برمودا ٹرائی اینگل میں دیگر حیرت انگیز مشاہدات کے علاوہ سفید اور ساحرانہ بادل بھی ہیں جو اچانک نمودار ہوتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں۔ بعض ہوابازوں نے ان بادلوں کو جہاز کے ساتھ پراسرار طور پر اوپر اٹھتے ہوئے دیکھا ہے جبکہ بادلوں کا آنا بالکل آناً فاناً ہوتا ہے۔

آلات کی ناکارگی:

ٹرائی اینگل کے علاقے میں غائب ہونے والے جہازوں کا ایک اور حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اس علاقہ میں داخل ہوتے ہی آلات ناکارہ ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ پیغام رسانی کا نظام تک ناکارہ ہوجاتا ہے۔ حادثے سے قبل کچھ مبہم سے پیغامات وصول ہوئے اس میں ہوابازوں نے کہا تھا کہ ان کے کمپاس پاگل ہو گئے ہیں کیونکہ کمپاس کی سوئیاں بے تحاشا چکرانے لگی ہیں۔ جہاز پر کنٹرول ختم ہوگیا ہے توانائی فیل ہوگئی ہے۔ برقی مقناطیسی آلات بھی کام نہیں کر رہے ہیں۔

تحقیق اور نتائج

برمودا میں جہازوں کے غائب ہونے کا سلسلہ جب بڑھا تو امریکہ نے شکست تسلیم کر کے اپنی ناکامی کا اعلان کیا اور عالمی برادری میں بسنے والے ہر ملک اور محقق کو دعوت دی۔ سینکڑوں محققین کو ان کے خواہش کے مطابق وسائل مہیا کیے مگر نتیجہ وہی رہا جہاں سے چلا تھا وہیں کا وہیں ہے۔ بیسیوں محققین نے وہاں کا سفر کیا تحقیقات کی اور انہی تحقیقات کو ضبط تحریر لائے۔ اربوں ڈالر خرچ ہوئے اس کے باوجود مثلث برمودا اپنے نقطہ آغاز پر موجود ہے اور صدیوں پہلے کی طرح ایک راز ہی ہے۔ چند محققین کے نتائج ملاحظہ فرمایئے۔

1- گلف اسٹریم کا نظریہ:

ماہرین کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے چونکہ برمودا کے علاقے میں گلف اسٹریم موجود ہے اس لیے اس کے نتیجے میں حادثات کے رونما ہوتے ہیں لیکن یہ نظریہ قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ تمام حادثات ان پانیوں میں ہوئے جو پرسکون اور خاموش تھے۔

2- دریاؤں کی گہرائی:

ایون اینڈرسن کا نظریہ ہے کہ ان حادثات کا سبب دریاؤں کی گہرائی میں تلاش کرنا چاہیے۔

3- نورانی اشیاء:

مثلث برمودا کے محققین میں سے ایک جان سپنر نے بھی دیگر ماہرین کی طرح ان حادثات کا تعلق مثلث برمودا کے گردنظر آنے والی اڑن طشتریاں کے درمیان گہرے تعلق کو واضح کیا ہے۔

4- اہرام کی طرز کی خفیہ تعمیرات:

سائنس دانوں کی ایک جماعت کا خیال ہے جس طرح مصر کے اہرام اپنی اسرایت کی وجہ سے معمہ بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح برمودا کے علاقہ میں سمندر کی تہہ میں اس طرح کے آثار پائے جاتے ہیں جو حادثات کا سبب بنتے ہیں۔

5- حدود زمانی سے دور:

ڈاکٹر میسن کا نظریہ یہ ہے کہ مثلث برمودا میں تحقیقاتی مشن پر جانے والے ملاح پائیلٹ یا مسافر جو غائب ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ ایسے خطہ میں جا پہنچے ہیں جو وقت اور زمانہ کی حدود سے ماوریٰ ہے اور وہ لوگ آج تک زندہ ہیں۔

6- خط مستثنیٰ:

ماہرین کے ایک گروہ کا نظریہ ہے کہ برمودا کا علاقہ قطعی طور پر تمام زمین سے مختلف ہے جس کی تحقیق اور تفتیش سائنسی آلات سے ممکن نہیں ہے۔

7- نادیدہ مقناطیس:

ویلبرٹ سمتھ کا نظریہ ہے کہ مثلث برمودا کے پانیوں کی عمیق گہرائی میں ایک عظیم اور جابر مقناطیسی قوت موجود ہے۔ جو جہازوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

8- ماورائے طبیعت:

ایم۔ کے۔ جوزف نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مثلث برمودا میں ایک ایسا عامل موجود ہے جو طبیعت سے ماوریٰ ہے جبکہ ہماری جتنی تھیوریاں ہیں وہ طبیعت سے متعلق ہیں اس لیے ہم کسی بھی طبعی تھیوری سے مثلث برمودا کا معمہ حل نہیں کر سکتے۔

امریکی ماہرین:

مثلث برمودا کے متعلق صرف امریکی ماہرین نے کشادہ دلی سے اعتراف کیا ہے کہ ہمیں حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مثلث برمودا میں ایک ایسی پراسرار مخفی اور پوشیدہ قوت موجود ہے جس

نے تا حال ہمیں اپنے نقش پا تک سے بھی دور رکھا ہوا ہے۔ ایسی پوشیدہ قوت جو اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو اس طرح نگل لیتی ہے کہ پھر اس کا سراغ لگانا ہماری بشر عقل و فکر کو عاجز کر دیتا ہے۔

چارلس برلیٹز نے لکھا ہے کہ مثلث برمودا میں ہونے والے حادثات موجودہ سائنس اور سائنسی ایجادات کے لیے کھلا چیلنج ہیں۔

جزائر برمودا یا جزیرہ خضراء

جزائر برمودا کی سریت کے بارے تحقیق و تفتیش کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے لیکن ماہرین کو چونکا دینے والا نقطہ نظر جو اس معمے کے متعلق ہے۔ وہ داستان جزیرہ خضرا ہے۔ علامہ باقر مجلسی کی کتاب بحارالانوار میں جو ''داستان جزیرہ خضرا'' پیش کی گئی ہے۔ اس کے حساب سے جزیرہ خضرا اور برمودا مثلث میں کئی لحاظ سے مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہیں ایسا تو نہیں کہ مثلث برمودا اور جزیرہ خضرا ایک ہی جگہ کے دو نام ہیں۔ بحارالانوار کے مطابق آج سے سات سو سال قبل ایک عالم کو 690 ہجری میں جزیرہ خضرا میں بحکم امام بھیجا گیا تھا جس نے جزیرہ خضرا کی جو علامات' خصوصیات اور حالات بتائے ہیں۔ ان کی رو سے **اوّل** یہ کہ برمودا مثلث بھی بحر اوقیانوس میں ہے جبکہ جزیرہ خضرا بھی بحر اوقیانوس میں ہے۔ **دوم** یہ کہ جزیرہ خضرا میں جانے والے نے بھی آج سے سات سو سال قبل جزیرہ خضرا کے گرداگرد سفید پانی کی چار دیواری بتائی ہے اور برمودا پر تحقیق کرنے والوں نے بھی یہی بتایا ہے۔ **سوم** جو بحری یا ہوائی جہاز سفید پانی کی حدود کو عبور کرتا ہے وہ برمودا مثلث میں غرق ہو جاتا ہے۔ جزیرہ خضرا میں جانے والے عالم نے بھی یہی بتایا ہے کہ مجھے جزیرہ خضرا لے جانے والے ملاح نے بتایا کہ جزیرہ خضرا کی فضائی یا آبی حدود عبور کرنے والی شے غرق ہو جاتی ہے اور غرق ہوتی رہے گی۔ **چہارم** جزیرہ برمودا پر تحقیق کرنے والوں نے سبز روشنی کا ذکر کیا ہے جبکہ جزیرہ خضرا کے نام سے ظاہر ہے کہ وہاں سبزہ غالب ہے۔

امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام (حضرت حجت اللہ) کا ظہور ہو چکا ہے لیکن وہ پردہ غیب میں ہیں۔ ان کی رہائش بحر اوقیانوس کے ایسے تین جزائر میں ہے جو تا حال دشمنان دین اور اعدائے اسلام کی حکمرانی سے باہر ہیں اور آج تک وہاں کسی ملک کا جھنڈا نہیں لہرایا جا سکا۔ ایک جزیرہ میں امام مہدی علیہ السلام کی اولاد رہائش پذیر ہے اور ایک جزیرہ میں سرکار خود رہائش پذیر ہیں

اور تیسرے جزیرے میں مذکورہ بالا دونوں جزائر کے بسنے والے افراد کے لیے زراعت ہوسکتی ہے۔ جن خوش نصیب افراد نے ان ہی جزائر میں سے ایک جزیرے میں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان کے مطابق سرکار ولی العصر کے جزیرے میں جس طرح کوئی غیر نہیں جاسکتا اسی طرح ان کی اولاد میں سے بھی کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ علامہ باقر مجلسی کی بحارالانوار کے مطابق امام زمانہ کے ساتھ آپ کے اقرباء اور معتقدین میں سے تیس افراد ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ حضرت امام زمانہ ایام حج میں مکہ تشریف لاتے ہیں اور حج سے فراغت کے بعد حجاز، عراق اور طوس وغیرہ میں اپنے آبائے طاہرین کی زیارات سے فارغ ہوکر واپس اسی جزیرہ خضرا میں چلے جاتے ہیں اور آپ کا مستقل قیام بھی اسی جزیرے میں ہے۔ زین الدین علی ابن فاضل فازندرانی جنہیں جزیرہ خضرا میں جانے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ جزیرہ خضرا جانے سے قبل دمشق میں علوم دینیہ کے حصول میں مصروف رہے اور ان کی اکثر تحصیلات زین الدین علی مغربی سے تھیں جو علمائے اندلس سے تھیں۔ 690ھ میں اپنے استاد کے ساتھ سفر اندلس کو سدھارے استاد موصوف کے وطن پہنچنے سے قبل راستہ ہی میں ہسپانیہ کے آغاز میں بیمار ہوگئے۔ مجبوراً استاد سے جدا ہونا پڑا تین تک اس آبادی میں رہے صحت یاب ہونے کے بعد ایک بربری قافلہ کے ساتھ جزائر شیعیان میں پہنچے ایک دن امام مسجد سے پوچھا کہ زراعت وغیرہ کے آثار نظر نہیں آتے آپ لوگوں کے معاش کا انتظام کیسے ہوتا ہے۔ اسنے جواب دیا۔ آب سفید کے درمیان واقع جزیرہ خضرا ہے جہاں امام زمانہ کی اولاد رہتی ہے۔ ہمارا انتظام وہیں سے ہوتا ہے اور سال میں دو مرتبہ خوراک پہنچائی جاتی ہے۔ علی ابن فاضل مازندرانی نے دعا مانگی کہ میرے قیام کے دوران اگر خوراک آجائے تو میں ان حالات کو دیکھ سکوں اس کی دعا قبول ہوئی مقررہ وقت سے پہلے اس جزیرے پر چھ کشتیوں نے لنگر گاڑے خوراک تقسیم کی اور ایک ملاح جو میرے نام و نسب سے واقف تھا۔ کہتا ہے کہ مجھے حکم ملا ہے کہ واپسی پر تمہیں اپنے ساتھ جزیرہ خضرا لے کر آؤں۔ علی ابن فاضل مازندرانی اس کے ساتھ جزیرہ خضرا روانہ ہوتا ہے۔ سفید پانی کو عبور کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ جزیرہ خضرا کے باہر سفید پانی کا حصار ہے جو کوئی کشتی یا جہاز اس کو عبور کرنے گا وہ غرق ہوجائے گا چنانچہ علی ابن فاضل مازندرانی 40 دن جزیرہ خضرا میں قیام کرتا ہے وہاں مولا علی علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن دیکھتا ہے اور وہاں کے مسجد کے عالم سے سوالات پوچھتا ہے۔

جزیرہ خضرا سے واپسی کے بعد علی بن فاضل مازندرانی مکہ معظمہ گیا حج سے فراغت کے بعد عراق آیا۔ موصوف نے 299ھ 15 شعبان کو اپنی داستان دو شیعہ علماء کو سنائی اور اسی سال قیام حلہ کے دوران فضل بن یحییٰ کو سنائی۔ علی بن فاضل نے اپنے اس سفر زیارت میں جزیرہ خضرا کے امام جمعہ و جماعت سید شمس الدین سے کچھ مسائل دریافت کیے جنہیں ایک کتابی صورت میں فوائد شمسیہ کے نام سے جمع کیا۔ فضل بن یحییٰ نے اس داستان کو جزیرہ خضرا کے نام سے قلمبند کیا۔

علامہ باقر مجلسی نے اور میرزا عبداللہ آفندی نے اپنی تالیفات میں اس واقعہ کو درج کیا ہے جبکہ شیخ حر عاملی نے اپنی اعتقادی کتاب اثباۃ الھدیٰ میں اس داستان کو وثوق کے ساتھ درج کیا ہے۔ علمائے رجال مثلاً علامہ بحرالعلوم شیخ اسد اللہ شوستری آقائے خوانساری وغیرہ نے اپنی تالیفات میں اس داستان کو بطور سند پیش کیا ہے۔

علی بن فاضل کا تعلق ایران کے شہر مازندران کے نواح میں ابریم نامی بستی سے تھا۔

مثلث برمودا کے واقعات اور مندرجہ بالا داستان سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مثلث برمودا کا یہ علاقہ وہی جزیرہ ہے جو آج سے سات صدیاں پہلے شیخ زین الدین علی بن فاضل مازندرانی نے دیکھا ہے اور مثلث برمودا ہی وہی جزیرہ خضرا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ قطعی طور پر مثلث برمودا ہی جزیرہ خضرا ہے بلکہ جزیرہ خضرا اور مثلث برمودا کے درمیان ہم آہنگی کے طور پر خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید یہی امام زمانہ کا مسکن ہے جہاں کوئی بحری یا فضائی جہاز نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اگر کوئی ان جہازوں سے واپس آیا ہے تو وہی جہاز جس نے سفید پانی کے حصار کو عبور نہیں کیا۔ باقی دعا ہے کہ اس کرہ ارض کا تاجدار جلد تشریف فلائیں اور نام نہاد جغرافیائی سرحدوں کو کالعدم کر کے پورے کرہ ارض کو ایک نظم کی لڑی میں پرو کر ایسی حکومت قائم کریں جس میں عدل ہی عدل ہو اور ہم آپ کی زیارت کا شرف حاصل کر کے ان تمام ظلمات سے نجات پائیں۔

الٰہی امین

◆•◆•◆•◆•◆

تاریخ اذان

اذان کا مفہوم:

اذان کے معنی ہیں۔ خبردار کرنا' مطلع کرنا' لوگوں کو خبر دینا یا اجازت دینا اور اذان دینے والے کو موذن کہتے ہیں۔ نماز کے علاوہ کسی خاص ندا یا صدا پر اذان کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔

اذان خدا کی ایک رحمت ہے۔ جو صبح کے وقت بستر راحت پر سونے والوں کو اللہ کے نام سے بیدار کرتی ہے اور ٹھیک دوپہر کے وقت شدت تمازت آفتاب میں یاد خدا کے لیے چونکاتی اور شام کو دن بھر کے تھکے ماندوں کو یاد خدا کی ترغیب دلاتی ہے کہ دن تو تمہارا تمام ہوا اب تو خدا کو یاد کرلو۔

اذان کی ابتداء:

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ندا دینے کو اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے جہاں ملت ابراہیمی کی بہت سی باتوں کی تجدید کی ہے وہاں اس سنت اذان کو بھی جاری کیا ہے۔ قصہ خانہ کعبہ میں حکم خدا ہوتا ہے۔ **واذن فی الناس بالحج** (سورہ حج آیت 27) ابراہیم تم لوگوں کو حج کے لیے پکارو جس کی تعمیل حضرت ابراہیم نے یوں کی کہ کوہ ابوقبیس پر جو مکہ کا مشہور پہاڑ ہے چڑھ کر چہار سمت پھر پھر کر ندا دی۔ **یاایھا الناس کتب علیکم الحج** یعنی تم لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج واجب کیا گیا ہے۔ خدا کی آواز پر لبیک کہو جب خدا کا یہ حکم نازل ہوا تو حضرت ابراہیم کو تقاضا بشریت پر تردد ہوا کہ میری آواز سب تک کیونکر پہنچے گی جس پر خداوند عالم نے ان تسکین فرمائی۔ **اذن و علی البلاغ** تم پکارو تمہاری پکار کو لوگوں تک پہنچانا ہمارا ذمہ ہے۔

قرآن نے ایک دوسری جگہ اذان کا ذکر حضرت یوسف کے قصہ میں کیا ہے۔ "ثم اذن موذن ایتھا لعیر انکم لسرقون." یعنی پکارنے والے نے آواز دی اے قافلے والو تم لوگ چور ہو۔ یہ ندا اس وقت دی گئی تھی جب برادران یوسف رخصت ہو کر مصر سے کنعان واپس جا رہے تھے۔ غرض یہ تھی کہ وہ ٹھہر جائیں انہوں نے کچھ چھپایا تھا تاکہ ان کی تلاشی لی جائے یعنی قرآن اذان کا ایک مطلب چھپانے والوں کو روکنا ہے یعنی اذان کا مقصد شہادت ثالثہ کو چھپانے سے روکتی ہے۔

دور رسالت میں اذان کی ابتداء:

فریقین کی روایات سے ثابت ہے کہ اذان کا حکم رسول اللہ پر نازل ہوا اور حضور ﷺ کے حکم سے ہی اس نے اشاعت پائی۔ حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل حکم اذان لے کر رسول اللہ پر نازل ہوئے تو اس وقت حضور ﷺ کا سر مبارک آغوش جناب امیر علیہ السلام میں تھا۔ حضرت جبرئیل اذان و اقامت کہی رسول اللہ ﷺ نے پوچھا یا علی تم نے بھی سنا۔ عرض کیا ہاں پوچھا یاد بھی کر لیا۔ عرض کیا ہاں تو حضور ﷺ نے فرمایا بلال کو بلاؤ اور اس کو تعلیم دو چنانچہ جناب امیر علیہ السلام نے بلال کو بلا کر تعلیم فرما دیا۔

خلیفہ ثانیؓ کے بیٹے عبداللہ کے فرزند سالم سے یہ روایت ہے کہ حضرت رسول خدا کو جب معراج ہوئی تو خدا ہی نے حضرت کو وحی کے ذریعے سے اذان کا طریقہ بتایا لیکن نماز چونکہ مدینے میں فرض ہوئی جبکہ معراج مکے میں ہوا۔ حضرت یہ حکم لے کر معراج سے واپس آئے تو بلال کو اذان سکھائی۔ مشکوٰۃ شریف باب الاذان میں حضرت ابومحذورہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود مجھے اذان کہنا سکھلائی۔

صحیح بخاری میں اذان کے متعلق چار روایتیں ہیں جن میں سے تین کا مضمون یہ ہے کہ خود ختمی مرتبت ﷺ نے اذان دینے کا حکم دیا جبکہ ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عمر جس کے راوی ہیں کہ مسلمان جب مدینہ آئے نماز کے لیے وقت کا اندازہ لگایا کرتے تھے اور کوئی بھی نماز کے لیے بلاتا نہیں تھا ایک دن انہوں نے اس کے متعلق بات چیت کی بعض نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بناؤ اور بعض نے کہا یہودیوں کی طرح سینگ خلفیہ ثانیؓ نے تجویز دی ایک آدمی کیوں نہیں بھیجتے جو نماز کی آواز دے حضور ﷺ نے بلال کے لیے فرمایا کھڑا ہو اور پس نماز کے لیے آواز دے۔

مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے ناقوس تیار کرنے کا حکم دیا تو مجھے خواب آیا جس میں مجھے ناقوس کے علاوہ نماز کے لیے اذان سنائی گئی میں نے وہ یاد کر کے صبح حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سنائی۔ حضور ﷺ نے میری خواب کو حق قرار دیا اور کہا کہ بلال کو بتاؤ وہ اذان دے۔ خلفیہ ثانیؓ جب آئے تو انہوں نے بھی اسی مانند اپنے خواب کا تذکرہ کیا۔

اکثر مسلمانوں کا یہی ماننا ہے کہ اذان خلفیہ ثانیؓ اور دیگر صحابہ کی تجویز پر ایجاد ہوئی اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر شریعت میں وحی وغیرہ کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے بلکہ شرعی احکامات حکم الٰہی بذریعہ وحی نازل ہوتے ہیں جس میں کسی تجویز یا خواب کا دخل نہیں ہوتا ہے۔ ایک انگریز مورخ لانکا دیو ہیرن نے حضرت بلالؓ پر کتاب لکھی ہے کہ یہ بہت مشکل ہے کہ خواب دیکھ کر پوری اذان حضرت کو یاد ہو گئی ہو بلکہ پہلے موذن اسلام ہونے کی حیثیت سے بلال نے خود یہ خواب دیکھا ہوگا۔

رسول اللہ نے کبھی خود اذان دی یا نہیں:

مورخین و محدثین اسلام ایک یہ مسئلہ بھی اختلافی بنا دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی خود اذان دی یا نہیں ترمذی و احمد ابن حنبل کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے صرف امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے کان میں وقت ولادت اذان و اقامت کہی تھی۔ نماز کے لیے اذان نہیں دی کیونکہ اگر حضور ﷺ اذان دیتے یعنی نماز کے لیے پکارتے جبکہ حضور ﷺ کی اطاعت بنص قرآن اللہ کی اطاعت کے مترادف ہے لہٰذا واجب ہے چنانچہ اگر حضور ﷺ اذان دیتے تو پھر ہر ایک کے لیے اطاعت رسول میں نماز کے لیے آنا واجب ہو جاتا اگر کوئی حضور ﷺ کی آواز پر نہ آتا تو وہ دین سے خارج ہو جاتا۔ ارشاد الٰہی ہے کہ

یا ایھا الذین امنوا استجیبو للہ وللرسول اذا دعاکم لمایحییکم.

کہ اے ایمان والو جب بھی اللہ اور اس کا رسول تمہیں آواز دے تو فوراً چلے آؤ تا کہ وہ تمہیں زندگی بخشے۔

یہاں واضح ہوا کہ حضور ﷺ کا بلانا اور اللہ کا بلانا ایک ہے۔ ثانیاً حضور ﷺ کی آواز پر لبیک کہنا زندگی ہے اور جو حضور ﷺ کی آواز پر نہ آئے وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہوگا۔

عہد پیمبر کے موذن:

تاریخ میں عہد پیمبر کے موذنوں میں 5 نام درج ہیں لیکن مستند یہ ہے کہ صرف دو موذن تھے۔ جن کو حضور ﷺ نے خود مقرر کیا۔ (1) حضرت بلال اور دو (2) ابن مکتوم جو نابینا تھے۔ ان کی وفات جنگ قادسیہ میں ہوئی شام میں دفن ہوئے۔ زیادہ مشہور حضرت بلالؓ ہیں جو اصل میں حبشی تھے۔ جن کی مناسبت سے مشہور ہے کہ وہ شین کو سین بولتے تھے لیکن اس کی کوئی اصلیت نہ ہے محض پروپیگنڈا ہے۔ حضرت بلالؓ کی کنیت ابوعبداللہ مشہور ہے کہ آپ کو حضرت خلیفہ اولؓ نے خریدا تھا لیکن حقیقت میں حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب نے حضرت بلالؓ کو خرید کر ختم مرتبت ﷺ کو بخش دیا تھا اور رسول خدا نے ان کو آزاد کر دیا۔ بہر حال یہ حضرت خلیفہ اولؓ کے مال سے نہیں خریدے گئے تھے جس کی سب سے بڑی دلیل حضرت بلالؓ کا عہد حضرت خلیفہ اولؓ میں موذنی قبول نہ کرنا ہے۔ اگر حضرت خلیفہ اولؓ نے ان کو خریدا ہوتا تو وہ ان کے عہد میں ان کو چھوڑ کر ملک شام نہ چلے جاتے۔

کتب رجال شیعہ میں اس واقعہ کی اصلیت یوں بیان ہوئی ہے۔ بلال نے بعد رسول ترک اذان اس لیے کیا کیونکہ وہ خلیفہ اول کی خلافت پر راضی نہ تھے۔ خلیفہ ثانیؓ نے ان کو مجبور کیا تو انہوں نے کہا کہ حقیقی خلیفہ رسول کی بیعت ابھی ہماری گردنوں میں ہے اور قیامت تک رہے گی۔ اس پر خلیفہ ثانیؓ نے ان کو گالی دی اور کہا اس شہر سے چلے جاؤ لہٰذا بلالؓ نے سفر شام اختیار کیا جو اس وقت ملک کفر تھا۔ ایک روایت کے مطابق بلال نے شام میں خواب دیکھا خواب میں رسول اللہ ﷺ نے کہا بلال تو نے بھی میری اہل بیت کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حضرت بلالؓ فوراً مدینے پہنچے مدینے میں خبر مشہور ہوئی کے حضور ﷺ کا موذن بلال آ گیا ہے۔ روتے ہوئے بلال دربتول بر آئے۔ بی بی نے کہا بلال تو نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ بلال نے روتے ہوئے عرض بی بی جس دروازے پر رسول اللہ ﷺ آیتیں پڑھتے تھے۔ اس دروزاے کی بے حرمتی نہ دیکھ سکا۔ میرا جگر پھٹ گیا مایوس ہو کر مدینے سے نکلا۔ بی بی نے کہا بلال صبر کر اور آج اذان تو دے بلال نے کہا جو میری آقا زادی کا حکم۔ بلال نے مسجد میں جا کر اذان کہنا شروع کی۔ اشھد ان محمد..... کہا تھا کہ کسی نے کہا کہ رسول کی بیٹی بیہوش ہو گئی ہے۔ اذان روک دو۔ یہ اذان کیوں روکی گئی شاید بلال غدیر خم والا جملہ کہنے ہی والے تھے کہ انہیں روک دیا گیا۔ بلال نے تریسٹھ برس کی عمر میں 20 ہجری انتقال کیا۔ باب الصغیر کے قدیم قبرستان دمشق میں دفن ہوئے۔

اختلافات اذان تغیرات اذان:

مسلمانوں کی اذان میں اختلاف پائے جاتے ہیں۔ مالکی حضرات چار تکبیروں کے بجائے دو تکبیریں کہتے ہیں۔ حنبلی حضرات اذان کو بغیر خوش الحانی کے پڑھنے کے قائل ہیں۔ حنفی بعض ترجیحات میں تصرف کے قائل ہیں۔ فقہ جعفری میں دوران اذان علی ولی اللہ کا اقرار جزو ایمان ہے۔ فقہ جعفریہ میں اذان دیتے وقت دائیں بائیں گھومنا چکر لگانا نہیں ہے صرف روبقبلہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے اذان دینا کافی ہے جبکہ بعض مسلمانوں کے نزدیک اذان دائیں بائیں پھر کر کہی جاتی ہے۔ بعض مسلمان اذان میں تھویب کے قائل ہیں۔

تغیرات اذان:

بعد رسول اذان میں کافی تغیرات ہوئے ہیں۔ پہلا تغیر حضرت خلیفہ اولؓ کے دور میں ہوا کہ اذان سے خم غدیر کے جملے نکال دیئے گئے چنانچہ بلالؓ کو اذان سے روکنا بھی اسی سبب تھا کہ بلال اذان میں غدیر والے جملے کہنا چاہتے تھے۔ دوسرا تغیر خلفیہ ثانیؓ نے کیا انہوں نے بالائے ممبر فرمایا تین باتیں عہد رسول میں جاری تھیں۔ ان کو میں حرام کرتا ہوں (1) متعہ النساء (2) متعہ الحج (3) حی علی خیر العمل اذان میں کیونکہ یہ جملہ غدیر کی یاد دلاتا تھا۔ یہاں ایک امر قابل غور ہے کہ جو باتیں حضور ﷺ کے دور میں جائز تھیں انہیں خلفیہ ثانیؓ نے کیوں حرام کیا اور ان کے ارتکاب پر سخت سزا کا اعلان کیا۔ تیسرا تغیر بھی خلفیہ ثانیؓ نے اذان میں کیا اور اذان فجر میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کر دیا چنانچہ حضرت مالک سے روایت ہے کہ موذن حضرت خلفیہ ثانیؓ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آیا۔ ان کو پایا کہ وہ سوائے ہوئے ہیں۔ کہا الصلوٰۃ خیر من النوم چنانچہ خلفیہ ثانیؓ نے کہا یہ میرے حکم کے مطابق صبح کی اذان میں جملہ کہا جائے۔ مشکوٰۃ شریف باب الاذان میں یہ روایت موطا امام مالک کے حوالے سے درج ہے حالانکہ عبداللہ ابن عمر اس جملہ سے اتنے متنفر تھے کہ کنز العمال جلد 8 کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عمر اس مسجد سے باہر نکل آتے تھے جس میں اذان میں یہ جملہ کہا گیا ہو اور اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے۔ سنن ترمذی جلد ایک کے مطابق الصلوٰۃ خیر من النوم کا جملہ زمانہ خلفیہ ثانیؓ میں سعد قرظ نے رائج کیا۔ ترمذی جلد ایک کے مطابق امام شافعی بھی اس جملہ کو غلط اور غیر مشروع

کہتے تھے۔ اگلا تغیر حضرت خلیفہ ثالثؓ کے دور میں ہوا جب جمعہ کے روز دو اذانوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے علاوہ ایک اور بدعت ایجاد ہوئی کہ موذن خلیفہ وقت کے دروازے پر آ کر کہتا۔ السلام علیک یا امیر المومنین حی علی الصلوٰۃ۔ اور یہ بدعت خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے زمانہ تک قائم رہی۔ انہی کے زمانہ خلافت میں تیسری بدعت یہ ہوئی کہ حکم رسول کے بالکل خلاف موذن کا مشاہرہ مقرر ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں مسجد کے متعلق کوئی وقف تھا یا بانی مسجد امیر تھا وہاں موذن مقرر ہوا اور جہاں یہ باتیں نہ ہوئیں وہ مسجد غیر آباد قرار پائیں۔ اس مشاہدے اور تنخواہیں مقرر کرنے کے نتائج کتابوں میں درج ہیں کہ مدینہ کا رہنے والا مسلمان شہر حمص گیا تو وہاں اذان کی آوازیوں آئی کہ ان اھل حمص اشھد ان محمد الرسول اللہ۔ وہ مسلمان اس بگڑے ہوئے فقرے کو سن کر حیران ہوا جب مفتی شہر سے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ ہمارا مسلمان موذن چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ ہم نے چند روز کے لیے ایک یہودی کو موذن مقرر کیا ہے چونکہ اس کا خدا و رسول پر ایمان نہیں لہٰذا وہ درست کہتا ہے کہ اہل حمص والے کہتے ہیں کہ محمد اللہ کا رسول ہے عیدین کی نماز میں صرف الصلوٰۃ کی ندا دی جاتی تھی۔ امیر شام نے سب سے پہلے عید کی اذان ایجاد کی۔ بعد میں علماء نے اس کو بدعت قرار دیا۔

حی علی خیر العمل:

دسیوں علماء نے اپنی کتب میں اس بات کا تزکرہ کیا ہے کہ خلفیہ ثانیؓ نے اپنے دور اقتدار میں تین چیزیں جو عہد رسالت میں حلال تھیں خلفیہ ثانیؓ نے اپنے عہد میں حرام قرار دیں۔ متعہ النکاح' متعہ الحج اور حی علی خیر العمل۔ (شرح تجرید از علامہ قوشجی کنز العرفان جلد ایک)

یہاں خلفیہ ثانیؓ ایک بات کے راوی ہیں کہ یہ چیزیں عہد رسالت میں حلال تھیں۔ دوسرا ی انہوں نے اپنے فتویٰ کی رو سے ان کو حرام قرار دیا جبکہ شریعت کا اصول ہے حلال محمد حلال الی یوم القیمۃ۔ حرام محمد حرام علی یوم القیمۃ۔ کیا اس اصول کے تحت خلفیہ ثانیؓ کا فتویٰ قبول کیا جا سکتا ہے کہ حلال محمد ﷺ کو وہ اپنی رائے سے حرام کر دیں۔ الایضاح صفحہ 202 کے مطابق امام ابو حنیفہ' امام ابو یوسف اور دیگر علمائے اہل سنت نے اعتراف کیا ہے کہ سرور انبیاء حضرت خلیفہ اولؓ اور خلفیہ ثانیؓ کے کچھ زمانہ تک اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل کہا جاتا رہا ہے لیکن بعد میں خلفیہ ثانیؓ نے فرمایا

کہ مجھے ڈر ہے حی علی خیر العمل کا جملہ سن سن کر امت مسلمہ کہیں جہاد سے روگرانی نہ کرنے لگے۔ علامہ تفتازانی نے شرح عضد میں لکھا ہے کہ حی علی خیر العمل زمانہ رسالت میں ثابت ہے لیکن خلیفہ ثانیؓ نے اسے حذف کر دینے کا حکم دیا۔ کنز العمال جلد 8 میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا مقرر کردہ موذن بلال اذان میں حی علی خیر العمل کہتا تھا۔ سنن بیہقی جلد ایک میں درج ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر خلیفہ ثانیؓ کے منع کرنے کے باوجود اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل کہتے تھے۔

لہٰذا جہاں تک حی علی خیر العمل کی تشریع اور اسلامی حکم ہونے کا تعلق ہے تو خوش قسمتی سے متقدمین و متاخرین علمائے اسلامیہ اور علمائے امامیہ متفق ہیں۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ شیعوں نے اس ارشاد کی تعمیل کو چھوڑا نہیں اور علماء اسلامیہ نے خلیفہ ثانیؓ کا سہارا لے کر اسے ترک کر دیا ہے۔

اذان میں علی ولی اللہ:

اذان میں شہادت ثالثہ یعنی علی ولی اللہ بعد کی ایجاد نہیں ہے بلکہ آنحضور ﷺ کے زمانہ سے رواج پذیر ہے اور بعض صحابہ اسے اذان و اقامت میں کہتے تھے جنہیں نبی اکرم اچھی طرح جانتے تھے چنانچہ ایک اہل سنت عالم شیخ عبداللہ مراغی علمائے مصر کے دانش مند اور منصف مزاج علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنی مایہ ناز تصنیف "السلافه فی امر الخلافه" میں رقمطراز ہیں۔ بحوالہ جواہر الولایہ و جزیرہ خضرا

سلمان فارسیؓ اذان و اقامت میں کلمہ رسالت کے بعد شہادت ثالثہ علی ولی اللہ کہتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے سن کر فوراً حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی حضور ﷺ میں نے ایک عجیب بات سنی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا بتایا سلمان فارسی نے شہادتین کے بعد ولایت علی کی گواہی دی ہے۔ حضور ﷺ نے کہا جو کچھ تو نے سنا ہے سلمان سے خیر سنا ہے۔ یہی عالم دوسری روایت میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ابوذر شہادتین کے بعد اذان و اقامت میں اشہد ان علیا ولی اللہ کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اس صحابی کو فرمایا کیا تو نے خم غدیر پر میرا یہ اعلان سنا تھا۔ جی سنا تھا۔ حضور ﷺ نے کہا یہی تھا جو ابوذر سے سن کر آیا ہے مگر تو اعلان غدیر کو بھول گیا ہے جب میں نے خود ولایت علی کا اعلان کیا تھا یعنی ولایت علی کا اعلان حضور ﷺ کی سنت ہے۔

لہٰذا عہد رسالت میں دو گروہ بن چکے تھے۔ ایک وہ جو علی ولی اللہ اذان و اقامت میں کہتے تھے۔ دوسرا گروہ جو رسول اللہ سے شکایت کر کے اسے بند کروانا چاہتا تھا۔ اب تحقیق علی ولی اللہ پر نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس بات پر ہونی چاہیے کہ وہ کون تھے جو سلمان و ابوذر جیسے سچے صحابیوں کی شکایت لے کر رسول کے پاس گئے۔ سرکار علامہ عبداللہ مراغی کی بیان کردہ حقیقت کے مطابق ولایت علیؑ کی شہادت کی تائید حدیث مصطفیٰ سے ہوتی ہے کیونکہ اقسام حدیث میں ایک حدیث تقریری ہے یعنی ایسا کام جو حضور ﷺ کے سامنے ہوا آپ ﷺ اس سے واقف ہوں لیکن منع نہ فرمائیں بلکہ استفسار پر اس کام کے جواز کی تائید فرمائیں لہٰذا علامہ عبداللہ مراغی کے بیان کے مطابق ولایت علی کی شہادت حدیث تقریری یعنی سنت مصطفیٰ کے مطابق ہے لہٰذا ولایت علی شہادت اذان و اقامت میں زمانہ رسالت سے چلی آ رہی ہے جسے بعد میں بند کیا گیا چنانچہ اس کے متعلق امام ابواللیث الہروی کی عبادت کا ترجمہ اور چند سخت جملے دیکھئے۔ پوری عبارت فاروقی شریعت میں ہے۔ فرماتے ہیں۔

یہ رسول خدا کی حیات کے زمانے میں چھ مہینے کی مدت میں اور پھر نو مہینے کے اندر اندر یہ قول پانچ دفعہ کہے جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہاں سے رافضیوں کو یہ موقع ملا کہ ان الفاظ کو اذان اور اقامت میں کہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ان الفاظ کے کہنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ بڑے شیخوں نے اپنی خلافتوں میں ان الفاظ کو کبھی نہیں کہنے دیا بلکہ کوئی شخص بھی ان الفاظ کو اذان اور اقامت میں دہراتا تو حضرت فاروق بڑی سختی سے اس کو پکڑتے تھے۔

یہ رافضی لوگ خود کو علی سے چپکاتے تھے اور منسوخ حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے اذان اور اقامت میں علی ولی اللہ اپنا شعار بنا لیا ہے اور ایسا کہنے کو حقیقی دین سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ بڑے بڑے صحابہ نے اس کو بند کرنے کی بڑی کوشش کی تھی اگر یہ جائز ہوتا تو وہ پہلے خود اس پر عمل کرتے۔ (یہ عبارت ابواللیث الہروی نے علامہ عسقلانی کی کتاب فضائح الروافض سے لکھی ہے)

چونکہ بنی امیہ اور بنو عباسیہ کے دور میں حضرت علیؓ و اولاد علیؓ کے فضائل حدیث نبوی کی صورت میں بھی بیان کرنا ناقابل معافی جرم تھا بلکہ امیر شام کے دور میں بے شمار مقررین اور علماء حضرات کو خصوصی احکامات تھے کہ دعائے قنوت اور خطبہ جمعہ حضرت علیؓ کا نام لے کر سب کیا جائے اور تمام دوسروں کی برائیاں حضرت علیؓ سے منسوب کی جائیں۔ بھلا ایسے حالات میں کب سنت نبویہ جاری رہ سکتی تھی۔ یہ تو عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور حکومت میں حضرت علیؓ پر سب و شتم کی رسم بد کو ختم کیا۔

احتجاج طبرسی میں صادق آل محمد سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جب اور جہاں اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمد رسول اللہ کہو وہاں اشہد ان امیر المومنین علیا ولی اللہ ضرور کہو۔

قرآن میں اذان سے مراد علی ہیں:

قرآن میں اذان کا لفظ صرف ایک ہی بار سورہ توبہ کی آیت نمبر 3 میں آیا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہوا۔

وَاَذان من اللّٰہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر۔

اور خدا اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن تم لوگوں کو منادی کی جاتی ہے کہ خدا اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے۔

تفسیر قمی میں امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس اذان سے مراد امیر المومنین حضرت علیؑ ہیں جب سورہ توبہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے خلیفہ اولؓ کو یہ سورہ عنایت فرمایا کہ جا کر مکہ بہ زمانہ حج اس حکم کی تعمیل کریں۔ حضرت خلیفہ اولؓ ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ فرشتہ آیا کہ حکم خداوندی ہے اس سورہ کی تبلیغ یا خود کرو یا علی ابن ابی طالب۔ حضور ﷺ نے وحی آتے ہی حضرت علیؑ کو حضرت خلیفہ اولؓ کے پیچھے بھیجا تا کہ ان سے آیات لے کر خود تبلیغ کرو۔ حضرت خلیفہ اولؓ واپس آ کر حضور ﷺ سے معزولی کی وجہ پوچھی تو حضور ﷺ نے کہا جبرئیل یہ حکم لائے تھے کہ یہ اس کام کو یا خود انجام دو یا وہ شخص جو تم میں سے ہو۔ علیؑ چونکہ مجھ سے تھے۔ جن کے سوا کوئی دوسرا تبلیغ نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت علیؑ نے مکہ میں گھوم گھوم کر ان آیات کی منادی کی یہی سبب ہے کہ قرآن میں مولا علی کا نام اذان قرار پایا۔

ایک اور جگہ سورہ اعراف میں اللہ فرماتا ہے۔ فاذن موذن بینھم..... (اعراف 44) کہ روز حشر ایک موذن ان کے درمیان ندا دے گا کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔

علامہ حلی نے مسند احمد ابن حنبل سے نقل کیا ہے کہ اس اذان سے مراد علی ہیں اور مولا امیر خود فرماتے ہیں انا الموذن فی الدنیا والاخرہ. میں دنیا و آخرت میں خدا کی جانب سے موذن ہوں اور محشر میں جو موذن اذان دے گا۔ انا ذالک الموذن وہ موذن میں ہوں۔

لہٰذا علی کو نبی نے خندق میں کل ایمان بنا کر بھیجا اور سورہ برات کی تبلیغ کے لیے اذان بنا کر

بھیجا۔اب یہ بحث کیا کہ اذان میں علی کا نام رکھا جائے یا نکال دیا جائے جبکہ علی اذان ہیں اور اذان علی ہے۔

اشہد ان محمد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت بھی کی گئی:

تاریخ میں دیکھیے بنی امیہ صرف علی ولی اللہ کے دشمن نہیں تھے محمد رسول اللہ ﷺ کے بھی دشمن تھے۔علامہ مسعودی تاریخ مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ مغیرہ ابن شعبہ کہتا ہے کہ امیر شام جب بھی اذان میں محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام سنتا تو کہتا میرے سے پہلوں نے حکومت کی دولت کمائی لیکن مرنے کے بعد نام مٹ گیا لیکن ہاشمی محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام دن میں پانچ مرتبہ اذان میں پکارا جاتا ہے بھلا اس ناموری کا مقابلہ کون کرے اب تو یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہم اس نام کو مٹا دیں۔

علامہ شہر ابن آشوب نے بھی اسی قسم کی روایت درج کی ہے کہ جب اذان ہونے لگی تو امیر شام نے گردن جھکا کر کہا کہ اے پسر عبداللہ (یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ) کس قدر تیری ہمت بلند تھی کہ تو نے اپنے نام کو خدا کے نام کے ساتھ ملا لیا ہے۔امیر شام کے یہ خیالات صرف ذاتی نہ تھے بلکہ موروثی تھے۔اس کا باپ ابوسفیان بھی اس قسم کے خیالات رکھتا تھا اور عبداللہ ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ وہ لعین دفعہ کہتا ہے اذان سن کر کہ دیکھو ہاشمی محمد ﷺ نے اپنا نام کہاں رکھا ہے چنانچہ زمانہ محمد رسول اللہ ﷺ کو اذان سے مٹا دینا چاہتا تھا۔علی ولی اللہ اس لیے رکھا گیا کہ براہ راست نبی کے نام پر حملہ نہ ہو یعنی علی ولی اللہ پر جھگڑا ہو تو ہو مگر نام محمد ﷺ قائم رہے۔علی ولی اللہ درحقیقت دفاع نام رسالت ہے۔

◆•◆•◆•◆•◆

ظہور قبر اطہر مولا علی علیہ السلام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قبر اطہر کو آپ کی اولاد نے حکم امام کے مطابق پردہ شب میں چھپا کر بنایا۔ بالکل اسی طرح کہ جس طرح خود حضرت علیؑ نے حضرت سیدہ عالم فاطمہ الزہراؑ کی قبر کو تاریکی میں دشمنوں کی نگاہوں سے چھپا کر بنایا تھا۔ مسٹر گبن کی تاریخ ڈیکلائن آف رومن ایمپائر Decline of Roman Empyre میں ہے کہ ظالم بنی امیہ کی وجہ سے علی کی قبر کو چھپایا گیا جب صاحب قبر کی خلافت کا انکار بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کر دیا گیا تو قبر بچاری کس شمار میں ہے۔ کفار وصنادید عرب کی وہ اولادیں کہ جن کے اسلاف کو مولا علی نے اسلام کی حمایت میں تہہ تیغ کیا تھا۔ وہ آپ کے مزار کو بھی ٹھنڈے دل سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ شاید اسی لیے امام کی وصیت کے مطابق اولاد واصحاب نے نہ صرف اصلی قبر کو مخفی رکھا بلکہ اس کو مختلف مقامات پر ظاہر کیا تا کہ قبر کا راز معرض اختلاف میں آ کر دشمنوں کی نظر سے پوشیدہ رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کسی نے کہا کہ آپ مسجد کوفہ میں دفن کیے گئے۔ کسی نے کہا۔ کہ گھر مین دفن ہوئے جبکہ کسی نے کہا کہ ''خیرہ'' میں حالانکہ حقیقی قبر کا پتہ سوائے امام حسن وحسین وعمر حنفیہ، میثم تمار، صعصعہ بن صوحان قیس بن سعد، حجر بن عدی، عمرو بن الحمق ودیگر چند گنتی کی اقربا واحباب کو تھا۔ جنہوں نے شب دیجور کے پردہ میں آبادی سے ہٹ کر دشمنوں کی نگاہوں سے چھپا کر قبر بنائی۔ جو درحقیقت حضرت نوح کی بنائی ہوئی قبر تھی مگر قبر کے راز کے متعلق ان احباب پر وصیت امام کا قفل تھا جو ان کے لبوں پر لگا ہوا تھا۔

تدفین مولا علیؑ:

اکیس رمضان 40ھ کی شب خانوادہ تطہیر کے صحن اقدس میں رونے اور سسکیوں کی آوازیں جہان کے سناٹے کو توڑ رہی تھیں۔ علامہ شیخ عباس قمیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو غسل حسنین علیہم اسلام نے دیا۔ امام حسنؑ غسل دیتے تھے۔ جبکہ امام حسینؑ پانی ڈالتے تھے۔ غسل کے بعد مولا حسنؑ نے نانا کا حنوط جو جبرئیل جنت سے لائے تھے۔ مولا علیؑ کے جسم اطہر پر چھڑکا تابوت تیار ہوا۔ اور آپؑ کی وصیت کے مطابق تابوت کے پچھلے حصے کو امام حسن اور امام حسینؑ نے اُٹھایا۔ اور اگلے حصے کو حضرت جبرائیل ار مکائیل نے اُٹھایا۔ حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم حضرت امیرؑ کا جنازہ جس دیوار یا عمارت اور درخت کے پاس گزرتا وہ خم ہو جاتا روایت کے مطابق آپ کا جنازہ غریٰ پہنچا تو وہ آپ کی تعظیم میں جھک گیا۔ اب اس جگہ پر مسجد حنانہ ہے اور نجف اشرف سے مشرق کی جانب تین ہزار ہاتھ ہے۔ جب جنازہ قبر کے قریب پہنچا امام حسنؑ نے جنازہ پڑھایا۔ (سات تکبیر نماز جنازہ کا یہاں ذکر ہے) تو اچانک کھدی قبر ظاہر ہوئی۔ قبر مبارک کے نیچے ایک تختہ بچھا ہوا تھا۔ جس پر ایک تختی تھی جس پر سریانی رسم الخط میں تحریر تھا۔ ''سہارا اللہ کے نام کا جو رحمٰن و رحیم ہے یہ قبر وہ ہے جس نوح نبی نے وصی مصطفےٰؐ علیؑ کے لیے طوفان سے سات سو سال پہلے کھودا۔''

حسنین علیہ السلام نے وصیت کے مطابق پہلے قبر پر دو رکعت نماز پڑھی پھر مولا علی کا جسد قبر میں رکھا۔

ایک تابوت مدینہ روانہ کیا گیا

حضرت امیرؑ کو نجف میں دفن کرنے کے بعد اولاد اور خاص اصحاب کی طرف پلٹ آئے۔ جب صبح ہوئی تو مصلحت کی خاطر ایک تابوت حضرت امیرؑ کے گھر سے نکالا گیا۔ اور کوفہ کے باہر امام حسنؑ نے اس پر نماز پڑھی اور اس تابوت کو اونٹ پر باندھ کر مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ (احسن المقال)

قبر اطہر کو مخفی کیوں رکھا گیا

مفتی جعفر حسین سیرت امیر المومنین میں لکھتے ہیں۔ کہ مولا علیؑ کی قبر کو مخفی رکھنے میں یہ مصلحت کارفرما تھی۔ کہ خوارج اور حکمرانوں کی طرف سے اس وحشیانہ طرز عمل کا اعادہ نہ ہو سکے جس کا مظاہر غزوہ احد میں شہداء کے اعضاء جوارح کاٹنے کی صورت میں ہو چکا تھا۔

چنانچہ قبر کا یہ راز جسے امام علیہ السلام اور چند خواص حضرات کے کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔ یونہی پوشیدہ رہا یہاں تک کہ وہ زمانہ آ گیا جب مولا علی پر جمعہ کے خطبوں میں سب وشتم بند ہوا سلطنت امویہ بمعہ اپنے رسوائے اسلام کارناموں کے ختم ہوئی اور سلطنت عباسیہ کا قیام ہوا۔

امام جعفر صادقؑ کی جانب سے تعین قبر

اہل نظر جانتے ہیں کہ سلطنت عباسیہ کا قیام محض اس جذبہ ہمدردی کی بنیاد پر عمل آیا جو بنی امیہ کی جانب سے روح فرسا سلوک آل رسول کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔ اگرچہ عباسی حکومت بھی آل رسول اور ان کے ماننے والوں کو ایک لمحہ بھی برداشت نہیں کرتی تھی لیکن بربنائے سیاست اس طبقہ کی خاطر داری کرنا پڑتی تھی۔ اموی دور گزرنے کے بعد کچھ عرصہ کے لیے پہلی بار اطمینان اور آزادی نصیب ہوئی اور یہی وہ زمانہ تھا کہ جس کی مہلت سے امام جعفر صادق علیہ السلام فائدہ اٹھاتے ہوئے علم نبی کے رکے ہوئے دریا کا بند ھ کھول دیا اور عالم میں رہتی دنیا تک علم دین اور مذہب حق کے زندہ رہنے کا سامان کر دیا۔ یہی وہ دور تھا جس میں وہ سربستہ راز جو مدتوں سے سینہ بہ سینہ چلا آ رہا تھا۔ رفتہ رفتہ ظاہر ہونے لگا اور آل اطہار کے شیدائی اس خبر کی بو پاتے ہی جوق در جوق نجف اشرف زیارت کے لیے آنے لگے ابھی یہ خبر زیادہ پایہ ثبوت تک نہیں پہنچی تھی کہ یکا یک ایک طرف امام کی بارگاہ سے قبر کی تعیین کا اعلان ہوا جبکہ دوسری طرف قبر مبارک سے معجزوں کا اظہار ہونے لگا۔

صفوان جمال نے جب امام صادق سے قبر مولا علی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا جس وقت کوفہ کی پشت پر مقام غری میں پہنچنا تو کوفہ کو اپنی پشت پر رکھنا اب تمہارا منہ نجف کی طرف ہو گا۔ تھوڑا سا داہنی طرف مڑتے ہوئے آگے بڑھنا یہاں تک کہ جب سفید ٹیلوں تک پہنچو تو اس وقت مقام ''رثنیہ'' سامنے ہو گا تو بس یہی امیر المومنین کی قبر اطہر ہے۔ (بحار الانوار) امام جعفر صادق نجف اشرف میں تشریف فرما ہوئے اور اپنے اصحاب میں سے ابو بصیر، عبد اللہ ابن طلحہ، معلی ابن خنیس، یونس ابن ظبیان اور زرارہ ابن اعین وغیرہ کو حضرت علیؑ کی قبر اطہر کے محل وقوع سے آگاہ فرمایا جس کے بعد خواص شیعہ کی آمد رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

پہلی تعمیر (داؤد عباسی):

قبر مبارک اسی طرح شب و روز لوگوں کی زیارت گاہ بنی رہی لیکن قبر اطہر کسی قسم کی تعمیر سے

اب تک خالی تھی۔ یہاں تک کہ داؤد بن علی عباسی نے (133ھ) اس پر ایک صندوق بنوایا۔ اس واقعہ کو سید ابن طاؤس علیہ رحمہ نے یوں تحریر کیا ہے۔

جب داؤد عباسی نے جو اس وقت کوفہ کا حاکم تھا۔ لوگوں کا ہجوم قبر مطہر پر دیکھا تو اس نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ معمار لائے جائیں پھر ان معماروں کو اپنے ایک حبشی غلام کے ہمراہ جس کا نام ''جمل'' تھا نجف روانہ کیا اور حکم دیا کہ وہاں جو قبر ہے اس کو جا کر کھودو اور اس کی تہہ میں جو کچھ ہے برآمد کر کے میرے پاس لاؤ۔ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ مولا علی کی قبر ہے۔ اسماعیل بن عیسیٰ عباسی کا بیان ہے کہ میں ان لوگوں کے ہمراہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ مقام مذکور تک پہنچنے کا کام شروع ہوا چنانچہ عمال کھدائی میں مصروف تھے اور لوگ لاحول پڑھتے تھے یہاں تک کہ جب پانچ ہاتھ کی گہرائی تک پہنچے تو انہوں نے کہا اب ہم ایسی چٹان تک پہنچے ہیں کہ جس کو کھودنے پر ہم قادر نہیں پھر انہوں نے اس گڑھے میں اس طاقتور حبشی کو اتارا اس نے کدال ہاتھ میں لے کر پوری قوت سے چٹان پر ماری کہ اس کی گونج تمام جنگل میں گونج اٹھی۔ اس کے بعد اس نے دوسری چوٹ لگائی اور پہلی مرتبہ سے زیادہ آواز آئی پھر تیسری ضرب لگائی اب کی دفعہ بڑی شدت کی آواز نکلی اور ساتھ ہی غلام نے ایک زوردار چیخ ماری یہ سن کر ہم لوگ اٹھے اور اس گڑھے میں جھانکنے لگے۔ میں نے اس کے ساتھیوں سے کہا پوچھو تو اس پر کیا گزری۔ ان لوگوں نے پوچھنا شروع کیا مگر اس میں جواب دینے کی طاقت نہ تھی۔ وہ برابر چیخے جا رہا تھا اور فریاد کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ہم نے اس کو نکال کر خچر پر لادا اور کوفہ کی طرف واپس چلے کہ اتنے میں غلام کا گوشت بازو اور داہنے طرف سے پھٹ پھٹ کر گرنے لگا اور تھوڑی دیر میں اس کے سارے جسم کی یہی حالت ہو گئی۔ یہاں تک کہ ہم لوگ داؤد کے پاس پہنچے۔ اس نے پوچھا کیا ہوا۔ ہم نے غلام کی طرف اشارہ کر کے کہا خود دیکھ لے اور پھر سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سن کر اس نے قبلہ کی رو پھر کر خدا کی بارگاہ میں دعا کی اور توبہ و استغفار کیا اور مذہب حق کو قبول کر لیا اور اس کے بعد میں ایک رات کو داؤد کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ قبر پر ایک صندوق بنا دے۔ غلام اسی وقت مر چکا تھا چنانچہ قبر پر اس کے حسب حکم صندوق بنایا گیا۔

تعمیر عمارت (ہارون رشید):

جونہی بنی عباسیہ کی حکومت کی جڑیں استوار ہوتی گئیں۔ حکومت کی نظریں بھی بنی فاطمہ کی طرف سے پھرتی گئیں۔ بالآخر وہ وقت آ گیا کہ وہی اولاد رسول کہ جن کے نام پر خلافت کی بھیک

مانگی گئی تھی۔ دیواروں اور محلات کی بنیادوں میں چنی جانے لگی لہٰذا ایسی صورتحال میں بوجہ خوف وہراس مزار اقدس پر دوبارہ حسرت برسنے لگی۔ رفتہ رفتہ وہ صندوق بھی خوردبرد ہوگیا جو داؤد نے بنوایا تھا کیونکہ بادشاہوں کے ظلم کی وجہ سے اس کی خبر گیری ممکن نہ رہی اور ایک زمانہ آیا کہ مولا نا علی کی قبر پہلے کی طرح پھر خاک میں روپوش ہوگئی اور اس کو اتنا عرصہ گزر گیا کہ ہارون رشید تخت خلافت پر بیٹھا اور ایک پہلے کی طرح پھر خاک میں روپوش ہوگئی اور اس کو اتنا عرصہ گزر گیا کہ ہارون رشید تخت خلافت پر بیٹھا اور ایک واقعہ کے تحت اس کو قبر کے بارے پتہ چلا چنانچہ عمدۃ المطالب وارشاد القلوب وغیرہ یہ واقعہ یوں درج ہے۔

ہارون رشید ایک روز پشت کوفہ پر شکار کی غرض سے نکلا تو اس کو کچھ خچر اور آہو نظر آئے۔ اس نے ان کے پیچھے اپنے شکاری کتے ڈال دیئے اور خود بھی ان کا پیچھا کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ان حیوانوں نے بھاگنا شروع کیا اور بالآخر ربوات بیض کے وسط میں آ کر وہ رک گئے۔ ہارون رشید نے خیال کیا کہ شاید ان ٹیلوں کے درمیان کوئی چیز ہے جس کو دیکھ کر یہ کتے رک گئے پھر جب کتے اس مقام سے ہٹا لیے گئے تو ہرن باہر نکل گئے پھر دوڑے اور ہرن نے پھر وہیں پناہ لی اور کتے اس جگہ کے اندر نہ گئے۔ ہارون کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور اس نے وہاں کے بزرگ مردوں کو بلا کر یہ واقعہ بیان کیا اور وجہ دریافت کی۔ ان میں سے ایک بڈھے نے کہا کہ اگر جان کی امان پاؤں تو اس راز کو عرض کروں۔ ہارون رشید نے کہا تو مامون ہے بیان کر اس نے کہا ان ٹیلون کے وسط میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم حضرت علیؑ کی قبر ہے جس کی زیارت سے امام انبیاء واولیاء مشرف ہوتے ہیں۔ ہارون رشید کو اس کی بات پر یقین آ گیا اور اس بوڑھے مرد کو انعام دے کر رخصت کیا اور پھر اس نے قبر مبارک پر روضہ تعمیر کیا۔ اس کے اوپر برنگ سرخ ایک قبہ بنوایا۔ اس قبہ کے علاوہ ہارون نے سفید پتھر کی ضریح بھی قبر منور پر تعمیر کی۔ قبہ کے چار دروازے چار سمتوں میں بنوائے۔ اس کے علاوہ خوشنما تصویر جو قلعی زدہ بلوری پلیٹ پر بنائی گئی ہے جس میں ہرن اور ہارون کے شکار کے منظر کو دکھایا گیا ہے۔

قبر مولا علی کو تیسری دفعہ 279ھ میں محمد استجار زید الداعی نے تعمیر کیا اور ایک ستر طاق کا قلعہ تعمیر کیا یہ تعمیر امام جعفر صادق کا معجزہ ہے جس تعمیر کی خبر مولا امام جعفرؑ نے پہلے دے دی تھی جبکہ چوتھی دفعہ 360ھ میں عضد الدولہ ایک سال تک مزار کے گرد اقامت گزیں رہا اور بہترین عمارت

تعمیر کروائی۔ 755ھ میں حرم میں آگ لگ گئی جس نے حرم اقدس کی تمام زینت کو برباد کر دیا لیکن اس کے فوراً بعد اویس بن حسن جلائری نے دوبارہ روضہ کو پہلے سے زیادہ شاندار بنا دیا۔ 914ھ میں شاہ اسماعیل نے ایک ضریح تعمیر کی جو فولاد کی بنی ہوئی تھی اور اس کے اندر حضرت آدم و حضرت نوح و حضرت امیر کے الگ الگ صندوق بنوائے۔ 1033ھ میں شاہ عباس صحن کو کشادہ کیا' ضیافت خانہ بنوایا اور ضریح کو مضبوط کیا۔

1047ھ میں صفوی بادشاہ شاہ عباس کے پوتے نے قبر اطہر کو رخام کا بنایا۔ ایوان کی تعمیر کی 1155ھ میں نادر شاہ نے قبہ پر سونا چڑھایا اور اس کے داخلی راستہ کو کاشی کا بنایا اور صندوق کے آگے اپنا تاج رکھا ایک سال کے بعد ایک صاحب خیر کی طرف سے ضریح کو چاندی کا بنا دی اگیا۔ موجودہ روضہ شاہ صفی صفوی کا بنوایا ہوا ہے کہ جو فن تعمیر کا ایک عجوبہ ہے۔ اس روضہ مقدس میں آئے دن کوئی نہ کوئی نئی اصلاحیں ہوتی رہتی ہیں لیکن جو خاص اصلاح ماضی قریب میں ہوئی اس میں ملا طاہر سیف الدین کی پیش کردہ ضریح کو خاص دخل ہے۔ یہ ضریح اپنی خوبصورتی اور عظمت کے اعتبار سے خود اپنی مثال ہے۔ اس کے بعد ایک ایرانی تاجر نے دس لاکھ تومان سے ایک دروازہ بنوایا جو بالکل سونے کا ہے۔ اس بیش قیمت دروازہ نے حرم کی شان کو اور دوبالا کر دیا ہے۔ سونے کا پھاٹک' سونے کی دیواریں' سونے کا مینار اور ان کے بیچ سونے کا عظیم بیکل قبہ دیکھنے سے پورا روضہ قلعہ کا معلوم ہوتا ہے لیکن اس طلاکاری کی اس دین و دنیا کے بادشاہ کے آگے کیا حقیقت جس کی ایک ٹھوکر سے سونے کے دریا ابل پڑتے ہوں۔ البتہ اس کی بارگاہ عقیدت مندوں کو اپنی محبت کے اظہار کا موقع مل گیا جس امام نے دنیا کو تین طلاقیں دے دی تھیں وہ دنیا آج بھی میرے مولا کے قدموں میں گری پڑی ہے اور دشمن جو میرے مولا کے نام کو مٹانا چاہتے تھے آج ان کا اپنا نشان تک نہیں ملتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

تمام جملہ مورخین عامہ و علماء اہل سنت نے مولا علی کی قبر اطہر کا نجف اشرف میں ہونا لکھا ہے۔ اس قدر شواہد و بنیات اور اتنے مورخین کے اتفاق کے بعد تصور بھی نہ ہونا چاہیے کہ کسی کو اس حقیقت سے انکار ہوگا۔ مگر عادت دیرینہ اور گمراہ کن کینہ کو کیا کہیے بعض خطیب بغدادی اور چندان کے ہم نواؤں نے اس حقیقت ابدی کا بڑی آسانی سے انکار کر دیا ہے بلکہ بعض نادانوں کی عقل نے

جولانی دکھائی تو کہہ دیا کہ حضرت علیؑ کا جنازہ سرے سے کہیں دفن ہی نہیں ہوا بلکہ اس کو ایک ناقہ کی پشت پر باندھ کر بیابان میں چھوڑ دیا گیا اور وہ اس روز سے تا روز قیامت چلتا رہے گا نہ زمیں ختم ہوگی نہ اس کی عمر۔ ان کی مضحکہ خیزی کو دیکھیے ایک ناقہ کی عمر تا قیامت تسلیم کر رہ ہیں جس پر میرے مولا کا جنازہ ہے لیکن اگر حکم خداوندی کوئی زندہ ہو تو اس کا انکار کر دیا جاتا ہے شاید یہ روایت گھڑتے وقت ان کا دھیان اس طرف نہیں گیا اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو تمام تاریخی حوالے درج کیے جاتے جبکہ ابن بطوطہ جیسے متعصب شخص نے بھی اس روضہ کی کرامات کے بارے لکھا ہے لیکن یہاں نابینا مفلوج و زمین گیر لائے جاتے ہیں اور اس روضہ کی زیارت کی برکت سے وہ ٹھیک ہو کر واپس چلے جاتے ہیں۔ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں لکھا ہے۔ حضرت علی کی قبر وہی ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے ابن ابی الحدید نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے۔

صوبہ قندوز میں قبر علی:

افغانستان کے صوبہ قندوز کے ضلعی صدر مقام ''امام صاحب'' میں حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کے سر کی مزار ہے۔ حضرت علیؑ کی زیارت کے بارے میں وہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد آپ کا جسد خاکی ایک اونٹنی پر رکھ دیا گیا اور اس کو جنگل میں ہانک دیا گیا کہ جہاں وہ بیٹھے گی وہیں ان کی قبر بنا دی جائے گی چنانچہ وہ اونٹنی یہاں آ گئی اور یہاں مولا علیؑ کا مزار بن گیا جب نجف کا حوالہ دیا جائے تو کہتے ہیں اصلی مدفن یہ ہے حالانکہ یہ تاریخی و عقلی اعتبار سے بالکل غلط اور بے بنیاد حکایت ہے۔ حقیقی مدفن وہی نجف ہے جس کی نشاندہی معصوم نے فرمائی ہے۔

مجاورت قبر علی کے فضائل:

امام رضاؑ سے روایت ہے کہ قبر امیر المومنین کی ایک روز کی مجاورت سات سو سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ قبر علی کی ایک رات کی مجاورت سات سو سال کی عبادت سے بہتر ہے اور امام حسین کی مجاورت 70 سال کی عبادت سے بہتر ہے پھر امام جعفر صادق نے فرمایا قبر امیر المومنین کے پاس ایک نماز دو ہزار نمازوں کے حکم میں ہے اور یہاں ایک شب گزارنا سات سو سال کی عبادت کے مساوی ہے۔

◆•◆•◆•◆•◆

ذوالجناح

''اے لوگو! حسین ابن علی کے گھوڑے کے سموں سے اڑتی ہوئی مٹی کے پیچھے چلتے جاؤ جنت پہنچ جاؤ گے۔'' (حضرت مسلم بن عقیل)

کربلا صرف ایک مقام کا نام نہیں ہے بلکہ یہ کتاب تاریخ کا ایک ایسا صفحہ ہے جس پر آل رسول کے خون کی روشنائی سے ابد تک مظلوموں کا اعلان انقلاب درج ہے۔ اس عبارت کی بہت سی تفسیریں ہیں۔ ان تفسیروں میں ایک یہ بے زبان ذوالجناح ہے جس نے اپنے آقا کی تین دن کی بھوک اور پیاس میں شرکت ہی نہیں بلکہ عاشورہ کے ہولناک دن میں آقا کی معاونت کرتا رہا۔ اس جاندار کو رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ اور خطاب عطا کردہ سواری ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ذوالجناح، علامت ہے اطاعت کی، ذوالجناح استعارہ ہے۔ وفاداری، محبت اور شعور کامل کا، ذوالجناح اصطلاح زندہ ہے دوستی اور قربانی کی، ذوالجناح علامت ہے مظلومیت کی محبت کا، یہ رہوار نشانی ہے ظلم کے خلاف صدائے حق بلند کرنے کی۔ اس جاندار نے آخری دم تک امام حسین کا ساتھ نبھایا۔

تعارف ذوالجناح

ذوالجناح کوئی عام گھوڑا نہ تھا اسے رسالت مآب ﷺ جیسی شخصیت سے لقب خاص عطا ہوا تھا۔ مورخین کے نزدیک اس کا اصلی نام مرتجز تھا لیکن اس کی غیر معمولی جسامت اور خدوخال کی وجہ سے حضور ﷺ نے اس کو لقب ذوالجناح دیا بعض مورخین کے نزدیک مرتجز اور ذوالجناح دو الگ الگ گھوڑے تھے لیکن یہ بات بعض مورخین کے نزدیک بعید از قیاس ہے ذوالجناح جسمانی ساخت کے لحاظ سے دوسرے جانداروں سے مختلف تھا۔ اس کی پیشانی پر ایک خوشنما اور چمکدار ابھار تھا اس کا رنگ بے داغ موتی کی طرح سفید تھا۔ مغربی دیومالائی قصوں میں ایسے گھوڑوں کو ''یونی کون'' کے نام سے پکارا گیا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے پاس ایسے گھوڑے پائے جاتے تھے جن کے ماتھے پر ایک

چمکدار ابھار یا سینگ ہوا کرتا تھا اور ان کے پر ہوتے تھے جو طاقت پرواز بھی رکھتے تھے۔ بعض روایات کے مطابق وہ گھوڑے جنات تھے جو حضرت سلیمان کے بعد ناپید ہو گئے۔ ہندوؤں کے اوتار ''کالکی'' کے مجسمے میں بھی اس کو ایسے گھوڑے پر بٹھایا گیا ہے جس کے پر ہیں اور آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ نے بھی جس گھوڑے کا کھلونا بنایا تھا وہ گھوڑا بھی پروں والا تھا جس کو دیکھ کر حضور ﷺ نے تبسم فرمایا تھا لہٰذا ذوالجناح کی منسوبیت ایسے گھوڑوں سے ہے جن میں طاقت پرواز تھی۔

شجرہ نسب:

ایک روایت کے مطابق ذوالجناح کا شجرہ حضرت اسماعیلؑ کے گھوڑے سے جا کر ملتا ہے۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جس گھوڑے پر فلسطین سے مکے آیا کرتے تھے۔ اس گھوڑے کی نسل سے ذوالجناح تھا۔ بعض کے نزدیک ذوالجناح بھی جنت کی سواریوں میں سے ایک سواری ہے جو رسول خدا اور اہل بیت کے لیے براق کی طرح خدا نے بھیجا تھا۔

بعض افراد کے نظریات کے مطابق یہ ذوالجناح بھی کوئی عام گھوڑا نہ تھا بلکہ ایک جن تھا جو اللہ کے حکم کے مطابق اہل بیت رسول کی خدمت میں مامور تھا اور اپنے فرض کی تکمیل کے بعد 61ھ کو واپس لوٹ گیا۔

بعض کے نزدیک ذوالجناح ایک فرشتہ تھا جسے یوم عاشور کے واقعات کا گواہ بننا تھا جیسا کہ حجر اسود بھی ایک فرشتہ ہے جو عہد الست کا گواہ ہے اور اللہ نے پتھر کی صورت میں اس فرشتہ کو دنیا میں بھیجا تا کہ اس بات کی گواہی دے سکے کہ کون لوگ عہد الست پر قائم رہے۔ ذوالجناح بھی قانون قدرت کے مطابق واقعہ کربلا کا ایک گواہ ہے چنانچہ اس نظریہ کو وزن حاصل ہے کہ ذوالجناح کوئی عام گھوڑا نہیں تھا اس کی تخلیق خاص مقصد کے لیے ہوئی تھی ورنہ جہاں تین دن کے امام حسین اور ان کے ساتھی پیاسے تھے وہاں ذوالجناح بھی تین دن کا پیاسا تھا اگر ذوالجناح عام گھوڑا ہوتا تو تین دن کا پیاسا ہو کر کربلا کے پرہول ماحول میں نہیں لڑ سکتا تھا۔ اس کی چال میں بادصرصر کی تیزی تھی۔ اس کا انداز کڑکتی ہوئی برق کی مانند اس کی سانسوں میں رعد کی گرج اور اس کی ٹاپوں میں زلزلے کا گمان تھا کہ جس نے مورخ کو یہ لکھنے پر مجبور کر دیا کہ رہوار حسینی گھوڑا نہیں کسی اور دنیا کی مخلوق نظر آتا ہے۔

ذوالجناح رسول پاک ﷺ کے پاس کیسے آیا:

ذوالجناح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تحفے کی صورت میں پیش کیا گیا تھا۔ واقعہ کے مطابق مصر کے علاقے اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت مین ایک خاتون جناب سودہ بنت زمعہ کو اور ایک بے مثال گھوڑا روانہ کیا تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے سودہ بنت زمعہ کو عقد کے ذریعے داخل حرم کیا اور گھوڑے کو پرورش کے لیے حضرت علیؑ کے سپرد کیا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایک بادشاہ اپنے وقت کی سب سے زیادہ بااثر شخصیت کو جو تحفہ پیش کر رہا ہے لازمی ان میں کوئی خاص بات ہوگی کہا جاتا ہے کہ اسکندریہ کے علاقہ میں جو مصر کے شمال اور بحیرہ روم کے جنوبی کناروں پر واقع ہے۔ ایک گھوڑا آزادانہ پھرتا دیکھا جاتا تھا۔ یہ گھوڑا افسانوی کردار کا مالک تھا۔ بہت سے بہادروں اور مہم جوؤں نے اس کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اس طرح اس گھوڑے کا قصہ زبان زدعام ہوگیا ایک طرح اس گھوڑے کا ذکر مافوق الفطرت داستان کے طور پر ہونے لگا۔ بادشاہ مقوقس نے رسول اللہ کی خدمت میں بے مثال تحفہ بھیجنے کی خاطر اپنے کارندوں کو اس گھوڑے کو پکڑنے کے لیے روانہ کیا۔

بادشاہ مقوقس کے کارندے اس گھوڑے کو پکڑنے میں تو کامیاب ہوگئے لیکن اس پر سوار ہونے میں ناکامی ہوئی چنانچہ اس گھوڑے کو اس طرح حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ اسکندریہ سے مدینہ تک کی تمام راہ میں اس گھوڑے کو بڑے بہادر افراد قابو میں رکھتے جب اس منہ زور گھوڑے کو رسول اللہ کے دربار میں پیش کیا گیا تو رسول پاک ﷺ نے اس جانور کو انتہائی پسند کیا جب رسول پاک ﷺ نے اس جانور کی گردن پر ہاتھ پھیرا تو اس نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی منہ زوری اطاعت میں تبدیل ہوگئی۔ حضور ﷺ نے اس وقت اس کو ذوالجناح کا لقب عطا کیا اور پرورش کے لیے اس کی رسی مولا علی کے ہاتھ میں دے دی تو یہ اسی طرح ان کے ساتھ چل پڑا جیسے صدیوں سے منزل کی تلاش میں بھٹکنے والے مسافر کی روح کو منزل پا لینے کے بعد قرار آ گیا ہو۔ ذوالجناح کا رنگ بے داغ موتی کی طرح سفید تھا لہٰذا پتہ چلا یہ ذوالجناح حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ اس میں قدرت کا راز یہ ہے کہ آئندہ جب بھی ذکر ذوالجناح ہو تو فقط رہوار حسینی ہونے کی وجہ سے نہ پہنچانا جائے بلکہ اس کا ذکر ہو تو یاد رسول بھی تازہ ہو جائے اور ذوالجناح کو

یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی پشت پر سب سے پہلے رسول پاک ﷺ سوار ہوئے۔ اس کے بعد مولا علیؑ پھر امام حسنؑ اور آخر میں امام حسینؑ نے سواری کی۔

ذوالجناح، مرتجز، عقاب، میمون وغیرہ یہ وہ گھوڑے تھے جو پیغمبر اکرمؐ کو مختلف ملکوں کے حکمرانوں نے تحفتاً بھجوائے تھے۔ اور یہ گھوڑے رسول خداؐ کے استعمال میں بھی رہے یہ نبوت و امامت کا معجزہ ہے کہ ان سے مربوط و منسوب کسی بھی شے پر زمانے کی کثافتیں اثر انداز نہیں ہوتیں اس لیے سن اکسٹھ 61 ہجری میں بھی یہ گھوڑے اسی آب و تاب کے ساتھ امام حسین اور اقربا کی سواری بنے ہوئے تھے۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب رسولؐ کی سواری کا اتنا احترام اور جس حسینؑ کی رگوں میں رسولؐ کا خون دوڑ رہا تھا جو دوش نبیؐ کا سوار تھا۔ اسے بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

بعض مورخین کے نزدیک حضرت عبدالمطلب کو یمن کے بادشاہ سیف بن ذی یزن نے چار گھوڑے ہدیہ کیے تھے۔ اس وقت حضور اکرمؐ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ بادشاہ یمن کی فرمائش تھی کہ ان تحفوں کو آپ اپنے پوتے کو دیجیے گا وہ بڑا ہو کر نبی بنے گا میں نے آسمانی کتابوں میں اس کی پہچان پڑھی ہے حضرت عبدالمطلب نجیب وہ گھوڑے اپنے پوتے محمدؐ کو پیش کیے تو اس کمسنی کے عالم میں آپؐ نے باری باری ہر گھوڑے پر سواری فرمائی۔ ایک گھوڑے کا نام مرتجز رکھا۔ ایک کا نام میمون رکھا ایک کا نام ذوالجناح رکھا جبکہ ایک کا نام طاویہ رکھا سیف بن ذی یزن نے تحائف دینے کے بعد حضرت محمدؐ سے اپنی شعافت کے لیے دعا کرنے کی التجا کی تھی۔

علامہ ابن شہر آشوب نے مناقب میں درج کیا ہے کہ مرتجز کو حضور نے ایک اعرابی سے خریدا تھا۔ اور خزیمہ ذوالشہادتین نے اس کی بیع و شرا کی گواہی دی تھی۔

اہل سنت مورخین کہتے ہیں کہ "سکب" جو رسول خداؐ کا گھوڑا مشہور ہے اسی کو ذوالجناح کہتے ہیں بعض مورخین کا خیال ہے کہ ذوالجناح کا اصل نام مرتجز تھا۔ چند مورخین کے نزدیک عقاب اور ذوالجناح ایک ہی گھوڑے کے دو نام ہیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ حضور کے پاس جناح نام کا گھوڑا تھا۔ اسی کو بعد میں ذوالجناح کہنے لگے۔

جبکہ سید جعفر الزماں النقوی لکھتے ہیں حمیری خاندان میں سے باذان تبع یمن تھا جو سیف بن ذی یزان حمیری کی اولاد میں سے تھا، جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ خسرو

پرویز کے پاس پہنچا تو اس نے گرامی نامہ کی کوئی عزت نہ کی اور ساتھ ہی بادشاہ یمن باذان کو خط لکھا کہ تجھے معلوم ہوگا کہ عرب کی بنجر زمین میں اللہ کی رحمت کا نزول ہوا ہے، وہاں جناب محمدؐ بن عبداللہ رسالت کے داعی ہیں اور ایک نئے دین کی ترویج فرما رہے ہیں، تو انہیں گرفتار یا شہید کر کے ان کا سر اطہر میری طرف روانہ کر۔

جس وقت یہ خط باذان کو پہنچا تو اس نے یہ خط بعینہٖ شہنشاہِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا اور عرض کیا کہ آپ مجھے آگاہ فرمائیں کہ اب میں اسے جواب میں کیا لکھوں؟ شہنشاہ انبیاءؐ نے جواباً اسے آگاہ فرمایا کہ تمہیں اب جواب لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، جواب اللہ کی طرف سے آچکا ہے کہ خسرو پرویز کو قتل کر دیا جائے گا اور جس دن تیرے پاس خط پہنچے گا اس کے دو دن بعد اس کے قتل کی خبر تیرے پاس پہنچ جائے گی، یہ فیصلہ آسمانوں پر ہو چکا ہے۔

17 جمادی الاول 7 ہجری، 21 ستمبر 628 عیسوی بدھ کے دن خسرو پرویز قتل ہوا، اور اس کی اطلاع باذان کے پس حسب فرمان پہنچ گئی۔ اس وقت باذان نے بارگاہِ رسالت میں عریضہ لکھا کہ اب میں آپ کا دین قبول کر چکا ہوں۔

باقی انبیاء کا تو یہ معمول تھا کہ جو ان کا دین قبول کرتا تھا اسے وہ اپنا فیملی ممبر سمجھتے تھے، آپ کا میرے اور میری قوم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ شہنشاہِ انبیاءؐ نے جواباً گرامی نامہ تحریر فرمایا کہ:۔ انتم منا و الینا اھل البیت آپ ہم میں سے ہیں اور ہمارے خانہ زاد ہیں۔

چند دن بعد جناب باذان کا انتقال ہوا تو ان کے بڑے بیٹے شہر بن باذان کو تخت پر بٹھا دیا گیا اور شہنشاہِ انبیاءؐ کو جشن تاج پوشی میں شرکت کی دعوت دی گئی، شہنشاہ انبیاء نے جناب امیر کائناتؑ سے فرمایا کہ اسکی دل شکنی کرنا مناسب نہیں ہے، اب آپ تشریف لے جائیں یا ہم بات تو ایک ہی ہے، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ آپ یمن تشریف لے جائیں۔

ان کے ساتھ شہنشاہِ انبیاء نے ابوموسیٰ اشعری، معاذ بن جبل اور خالد بن ولید ملعون کو روانہ فرمایا۔ تمہید اور اصل واقعہ کا پس منظر بیان کرنے کے بعد اب میں مدعا بیان کرتا ہوں کہ جس وقت شہنشاہ معظم امیر کائناتؑ یمن تشریف لے گئے تو شہر بن باذان نے ان کا شایان شان استقبال کیا اور اپنے محل میں لے آیا، شہنشاہِ معظم امیر کائناتؑ نے ایک ہفتہ تک یہاں قیام فرمایا اور تمام اہل یمن شہنشاہ تاجدار انبیاءؐ کی اسلامی تعلیمات سے مستفیض ہوتے رہے۔

ایک ہفتہ کے بعد امیر کائناتؑ نے واپسی کا ارادہ فرمایا، جب آپ واپس روانہ ہوئے تو شہنشاہ یمن شہر بن باذان نے بہت سے تحائف بارگاہ میں پیش کیے، ان تحائف میں خاص طور پر ایک گھوڑی بھی شامل تھی، جس کے بارے میں شہنشاہِ یمن نے عرض کیا کہ آقا! ہمارا حمیری قبیلہ گھوڑوں کے معاملے میں بہت خوش نصیب ہے کہ عرب کی اعلیٰ ترین نسل کے گھوڑے ہمارے پس موجود ہیں اور ہم ان کی قدر کرنا بھی جانتے ہیں، اور انہی میں سے ایک گھوڑی یہ بھی ہے امیر کائنات نے فرمایا کہ ہم وہ گھوڑی دیکھنا چاہتے ہیں، شہر بن باذان کے حکم پر اس کا ایک غلام گھوڑی دربار کے باہر لے آیا، امیر کائناتؑ نے باہر تشریف لا کر اس گھوڑی کو دیکھا اور دریافت فرمایا کہ اس کا نام کیا ہے؟ شہر بن باذان نے بتایا کہ اس کا نام "مجلی" ہے۔

امیر کائناتؑ نے اس غلام سے فرمایا کہ ذرا اس کو ہمارے سامنے تھوڑا سا دوڑاؤ تا کہ ہم اس کے قدم دیکھیں، اس غلام نے حکم کی تعمیل کی، اسی دوران سرکار امیر کائناتؑ نے نگاہ فرمائی کہ گھوڑی چار قدم چلتی ہے، پھر پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے اور بوجہ فراق ہنہناتی ہے، پھر چند قدم آگے چلی پھر ہنہناتی ہوئی مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھتی ہے، امیر کائناتؑ نے شہنشاہ یمن کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ اس گھوڑی کے انداز بتاتے ہیں کہ جیسے اس کا کوئی بچہ پیچھے رہ گیا ہے۔ کیا واقعی اس کا کوئی بچہ پیچھے ہے؟ اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ حضور واقعی اس کا ایک بچہ بھی ہے، امیر کائناتؑ، نے فرمایا کہ تم نے وہ ساتھ کیوں نہیں دیا؟ شہنشاہِ یمن نے عرض کیا کہ حضور ہمیں دینے سے انکار تو نہیں مگر اس کا بچہ بیمار ہے۔ اس لیے ہم نے پیش نہیں کیا، کیونکہ وہ حضور کے شایانِ شان نہیں تھا امیر کائناتؑ نے فرمایا کہ ہم کائنات کے معالج حقیقی ہیں، ہمیں بتاؤ کہ اسے کیا بیماری ہے؟ شہنشاہ یمن نے عرض کیا کہ حضور! ہمیں خود معلوم نہیں کہ اسے کیا بیماری ہے مگر اس کی عادات بہت عجیب ہیں۔

امیر کائناتؑ نے فرمایا کہ ہمیں تفصیل بتائیں، اس نے کہا کہ آقا! ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ اسے کیا بیماری ہے لیکن جس دن سے پیدا ہوا ہے ہمیشہ اداس رہتا ہے، تین دن تک تو اس نے ماں کا دودھ نہیں پیا تھا، ہر وقت اس کی آنکھوں سے آنسو برستے رہتے ہیں، ہمارے شہر سے ایک ریت کا ٹیلہ ہے جس وقت سخت گرمی ہوتی ہے، گرم لو چل رہی ہوتی ہے، زمین گرمی سے جل رہی ہوتی ہے تو اکثر زوالِ آفتاب کے وقت وہ شہر چھوڑ دیتا ہے دانہ پانی چھوڑ کر دوڑ جاتا ہے، اس گرم ٹیلے پر جا کھڑا

ہوتا ہے، پہلے زمین پر گھٹنے ٹیکتا ہے، پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے، پھر پہلے دائیں پہلو، پھر بائیں پہلو کے بل گرم زمین پر سو جاتا ہے، پھر کھڑا ہو جاتا ہے، مدینہ کی جانب منہ کر کے تین مرتبہ ہنہناتا ہے، پھر دوڑ پڑتا ہے، شہنشاہِ یمن جب تک یہ تفصیل بتاتا رہا امیر کائناتؑ روتے رہے پھر فرمایا کہ اے شہنشاہِ یمن! وہ تو ہمارے کام کا ہے، چلو ہم اس کی زیارت کرتے ہیں، اس نے کہا کہ حضور! وہ اب بھی اس ٹیلے پر ہوگا، سرکارؑ شہر سے باہر تشریف لائے، ریت کے پاس ٹیلے پر دیکھا تو وہ دائیں پہلو کے بل سویا ہوا تھا، سرکارؑ جب اس کے قریب تشریف لے گئے تو وہ سرکار کی خوشبو محسوس کرتے ہی دوڑ کر حضور کے قریب آ کھڑا ہوا۔

امیر کائناتؑ نے اپنی باہیں اس کے گلے میں ڈال دیں، درد کے دریا نے صبر کے بند توڑ کر بہنا شروع کیا، امیر کائناتؑ کافی دیر تک اس کے گلے میں باہیں ڈال کر گریہ فرماتے رہے، اسے پیار کرتے ہوئے فرمایا کہ ابھی سے تم نے یہ اطوار اپنا لیے ہیں، ابھی تو وہ وقت بہت دور ہے۔

امیر کائناتؑ نے شہنشاہِ یمن سے دریافت فرمایا کہ مجلی کے اس بچے کا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حضور! اس کا نام ہے "مرتجز" یہ نام سن کر امیر کائناتؑ نے فرمایا کہ اے شاہِ یمن شہر بن باذان! اگر آپ محسوس نہ کریں تو ہم اسے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں، اس نے عرض کیا کہ آقا! ہر چیز کے آپ مالک ہیں، یہ سارا ملک آپ کا ہے، جو جی چاہے ساتھ لے جائیں۔ امیر کائناتؑ نے فرمایا کہ اس عزت افزائی کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں، ہمیں صرف یہ بچہ اپنے چھوٹے شہزادے کے لیے ضرورت ہے، القصہ سرکارؑ امیر کائناتؑ مرتجز کو اپنے ساتھ یمن سے مدینہ لے آئے۔

دستور کے مطابق شہر سے باہر قیام ہوا، تاجدار انبیاءؑ پاک بھائی کی پذیرائی اور استقبال کی خاطر شہر سے باہر تشریف لے آئے، مگر انداز یہ تھا کہ آپؐ ناقہ پر سوار تھے، پاک حسنین شریفینؑ نانا پاک کے ساتھ ناقہ پر سوار تھے، جناب امیر کائناتؑ نے شہنشاہ انبیاء کا استقبال کیا، تحائف پیش کیے، اس وقت کریم کربلاؑ نے پاک بابا کے قریب آ کر عرض کیا کہ بابا جان! جو تحفہ آپ میرے لیے لائے ہیں وہ مجھے عطا فرمائیں۔ امیر کائناتؑ نے گھوڑی مجلی منگوائی، ابھی گھوڑی کچھ دور تھی کہ مرتجز نے ماں کو چھوڑ دیا اور دوڑ کر تاجدار کربلاؑ کے قدموں پر منہ رکھ دیا، اس وقت اس کی عجیب کیفیت تھی، کسی وقت قدموں پر منہ لگاتا، کسی وقت سرکارؑ کے ہاتھوں پر آنکھیں لگاتا، جس طرح مدت سے بچھڑے

ہوئے دو دوست ملتے ہیں بالکل اسی انداز میں دونوں ایک دوسرے کو پیار کرنے میں مصروف تھے تاجدار کربلاؑ نے مرتجز کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے بہت پیار کیا ارباب تاریخ لکھتے ہیں کہ اس وقت مرتجز کی عمر تین سال تھی۔ بحرالمصائب میں صاحب روضہ خواں نے بھی اس قسم کا واقعہ درج کیا ہے۔

ذوالجناح امام حسین کے پاس:

اے ذوالجناح سبط پیمبرؐ کے رہوار
انصار میں حسینؑ کے تیرا بھی ہے شمار

کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر مسجد سے نکل کر اپنے گھوڑے کو دیکھنے جایا کرتے تھے۔ ایک دن جب مسجد سے نکلے اور اصطبل کی طرف پہنچے تو دیکھا کہ ذوالجناح کے قریب مولا حسینؑ کھڑے ہیں اور اس کی گردن اور چہرہ پر ہاتھ پھیر رہے ہیں اور ذوالجناح بار بار اپنے سر کو آقا حسینؑ کے قدموں میں جھکاتا ہے۔ آقا حسینؑ اس کو پھر پیار کرتے جاتے ہیں۔ کافی دیر تک رسول اللہ ﷺ کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے پھر رسول اللہ ﷺ آقا حسین کے قریب پہنچے اور کہا حسین یہ گھوڑا تمہیں اچھا لگتا ہے۔ کہا نانا یہ گھوڑا ہم سے بہت پیار کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبھی تو تم بھی اس سے پیار کرتے ہو۔ ہم نے آج سے یہ تمہیں دے دیا۔ یہ آج سے تمہارے نام ہو گیا۔ کہتے ہیں اس دن سے آقا حسینؑ نے ذوالجناح پر جب سواری کرنا چاہی قریب آتے تو ذوالجناح فوراً بیٹھ جاتا اور جب چاروں ہاتھوں پیروں سے بیٹھ جاتا تو حسین اس پر سوار ہو جاتے تھے۔ بہت آہستہ آہستہ اٹھتا کہ کہیں آقا حسینؑ ڈگمگا نہ جائیں۔ آہستہ آہستہ چلتا اور جب آقا حسین اترنا چاہتے تو گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاتے کہیں اترنے میں زحمت نہ ہو۔

ذوالجناح دس محرم کے بعد کدھر گیا:

جب دس محرم کو امام مظلومؑ نے ریت کربلا پر سجدہ کے لیے سر جھکایا تو ذوالجناح نے پروانے کی طرح شمع امامت کا طواف شروع کیا ہر آگے بڑھنے والے بدبخت کا راستہ کاٹا کسی کو سموں کی ضرب لگائی تو کسی کو دولتی کے مزے سے آشنا کیا۔ اگر کوئی بہت قریب آیا تو دانتوں سے اس کی خبر

لی۔اس دوران اس کے جسم پر تیر پیوست ہوتے رہے۔سنگ باری ہوتی رہی مگر یہ دکھاتا رہا کہ عظمت رسالت پر ایمان رکھنے والے بے زبان بھی آل رسول کی خاطر جان دینا جانتے ہیں۔اسی دوران شہزادی سکینہ محبت پدر میں بیقرار ہو کر بابا کے پاس آ گئیں۔امام نے ذوالجناح کو حکم دیا کہ جنگ بند کر دے اور شہزادی سکینہ کو خیام تک پہنچا۔یہاں یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب امام نے سجدہ شکر ادا کیا تو امام نے غائب سے سورہ فجر کی آخری آیات یاایتھا النفس المطمئنہ..... کی صدا سنی تو ذوالجناح سے کہا کہ جنگ چھوڑ دے کیونکہ اب رب نے اپنے سے راضی نفس کو راضی ہو کر بلا بھیجا ہے۔آگے بڑھا آقا کے بہتے ہوئے خون سے پیشانی کو رنگین کیا۔سرپٹ دوڑتے ہوئے خیمہ میں آیا اور بآواز انسانی کربلا کی شیر دل خاتون کو قتل برادر کی خبر سنائی۔اس خبر کو سن کر مستورات نے ذوالجناح کے گرد حلقہ بنالیا اور ماتم کرنا شروع کیا۔اکثر روایات کے مطابق ذوالجناح اس حلقہ ماتم کے درمیان ہی سے غائب ہو گیا۔بعض روایات کے مطابق ذوالجناح مستورات کے حلقہ ماتم سے نکل کر نہر علقمہ کی جانب گیا۔جہاں حضرت عباس کا لاشہ تھا اور خود کو نہر علقمہ کے پانی میں اتار کر غائب ہو گیا۔چند مورخین کا خیال ہے کہ ذوالجناح خیمہ گاہ سے واپس مقتل میں آیا اور جنگ کرتا ہوا شہید یا غائب ہو گیا۔بعض اہل علم کا نظریہ ہے کہ ذوالجناح پردہ غائب میں ہے جب امام زمانہ کا ظہور ہو گا تو ذوالجناح ان کی خدمت کے لیے دوبارہ حاضر ہو گا۔بعض کے نزدیک ذوالجناح نے دس محرم شام غریباں کو بحکم امام بی بی شہر بانو کو پشت پر سوار کیا اور ان کو کوہ رے جہاں پر بی بی شہر بانو کا مزار ہے تک پہنچایا اور خود غائب ہو گیا اور امام کے ظہور پر دوبارہ آئے گا جبکہ بعض کا خیال ہے کہ ذوالجناح زندہ ہے اور امام زمانہ کی اقامت گاہ پر موجود ہے۔امام جب ظہور فرمائیں گے تو یہ ان کے ہمراہ ہو گا۔

غرض حاصل کلام یہ ہے کہ ذوالجناح حکم رب سے محمد و آل محمد کی خدمت کے لیے بطو رخاص خلق ہوا تھا اور فرض کی ادائیگی کے بعد حکم ربی وہ واپس اپنی دنیا میں چلا گیا۔

آغاز شبیہ ذوالجناح

ذوالجناح کی شبیہ نکالنے کا آغاز برصغیر پاک و ہند کے علاقوں میں ہوا۔یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شبیہ ذوالجناح کا آغاز عرب سے کیوں نہ ہوا جہاں اسلام کی ابتداء ہوئی تو عرض ہے معاشرتی طور پر رواج ہے کہ جس کا سوگ منانا ہو اس کے گھر یا اس کے اقرباء کے پاس جا کر رسم غم

منائی جاتی ہے۔ عرب دنیا کے تمام شہروں میں تقریباً اہل بیت کے مزارات موجود ہیں جن کو حرم کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ عرب عوام محافل غم اور مجالس عزا و ماتم کے لیے ان مزارات کی حدود میں چلے جاتے ہیں اور اپنے دستور کے مطابق پرسہ داری سرانجام دیتے ہیں۔ عرب کے باہر ایران میں بھی اہل بیت کے مزارات موجود ہیں۔ وہاں بھی عوام اسی طریقہ سے حاضری دیتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں جب اسلام پھیلا اور مجالس و عزاداری کا سلسلہ قائم ہوا تو عقیدت کی بناء پر لوگ مزارات آل محمد تک تو نہیں پہنچ سکتے تھے لہٰذا روحانی القا کی خاطر شبیہ حرم بنانے کا سلسلہ شروع ہوا جس کو تعزیہ کا نام دیا گیا۔ اسی طرح مصائب اہل بیت میں غیر انسانی کردار ذوالجناح کی شبیہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ عام روایات کے مطابق اکثر لوگوں کو بذریعہ بشارت اس شبیہ کو نکالنے کے احکامات ملے۔ یقیناً اس بشارت میں کوئی راز قدرت موجود ہے۔ برصغیر میں شبیہ ذوالجناح کا آغاز تعزیہ داری کے ساتھ ہی ملتان سے شروع ہوا پھر لاہور جس شہر کو ہمشیرہ امام حسینؑ کی جائے سکونت ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ شبیہ عزاداری کا آغاز ہوا اس کے بعد یہ سلسلہ ریاست اودھ اور دکن کے علاوہ بنگال اور بہار تک پھیل گیا۔ دکن میں شیعہ ریاستیں قائم ہوئیں پھر لکھنو اور دہلی میں عزاداری کو فروغ ملا۔ امیر تیمور نے جب برصغیر پر چڑھائی کی تو یہاں عزاداری پوری طرح قائم ہو چکی تھی مگر عہد تیمور میں باقاعدہ شبیہ تعزیہ و ذوالجناح برآمد کروایا گیا۔

شبیہ ذوالجناح کی اہمیت:

اصول زندگی اور روح عبادت یہ ہے کہ اچھے عمل کی یاد کو قائم رکھا جائے تاکہ آنے والے دور میں اچھے عمل کی یاد کم ہونے سے اچھے عمل کی افادیت نہ کم ہو جائے مثلاً صفاء مروہ میں جو سعی کی جاتی ہے وہ یاد ہے حضرت حاجرہ کی اس کوشش کی جو انہوں نے اپنے بچے کی جان بچانے کے لیے کی۔ قربانی کے جانور یاد ہیں ابراہیم کے اس فعل کی جو انہوں نے اللہ کی اطاعت کے لیے بیٹے کے گلے میں چھری رکھی۔ اسی طرح ذوالجناح کی شبیہ یاد دلاتی ہے امام حسینؑ کی اس کوشش کی جو انہوں نے اللہ کے دین کو بچانے کے لیے کی۔

جب لوگ شبیہ ذوالجناح دیکھتے ہیں تو ان کے ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ کس گھوڑے کی شبیہ ہے جواب ملتا ہے امام حسینؑ کے گھوڑے کی امام حسینؑ کون تھے محمد رسول اللہ ﷺ کے نواسے

جنہوں نے توحید کا درس دیا۔یعنی شبیہ ذوالجناح کے ذریعے مولانا حسینؑ کے ساتھ ساتھ توحید و رسالت کا تعارف ہو جاتا ہے جس طرح قربانی کے جانور شعائر اللہ ہیں اسی طرح ذوالجناح بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔

شبیہ ذوالجناح نکالنے کا مقصد اظہار یک جہتی ہے۔مظلوم کربلا کے ساتھ جو درحقیقت رسول اللہ سے اظہار یک جہتی ہے۔یہ شبیہ علامت ہے جدوجہد حسینؑ کی شبیہ ذوالجناح کی خالی زین دیکھ کر ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ اس کا سوار کون تھا' اس کا مشن کیا تھا شبیہ علامت ہے طاغوتی طاقتوں کے آگے جھکنے سے انکار کرنے کی۔یہ شبیہ علامت ہے دشت کربل کے ہولناک حالات میں جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مقصد پر قربان ہونے کی یہ شبیہ علامت ہے۔ایسے کریم کی جو اپنے اثاثے راہ خدا میں قربان کرتے ہوئے مسکراتا ہے۔یہ شبیہ علامت ہے۔محمد مصطفیٰ ﷺ کے اجڑے ہوئے چمن کی جو اسلام کے خزاں رسیدہ باغ میں بہار لے آیا۔یہ شبیہ علامت ہے وحی و رسالت کا انکار کرنے والے ملعون کے چہرے پر طمانچے کی جو محافظ اسلام نے اپنا سر نیزے پر بلند کروا کر رسید کیا۔اس طمانچے کی گونج قیامت تک سنائی دیتی رہے گی۔

کیا اسلام میں جانور کی شبیہہ کا تصور موجود ہے؟

اکثر لوگوں کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اسلام میں جانور کی شبیہہ کا جواز موجود ہے یا نہیں تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہاں جواز موجود ہے۔اسلام میں جانور کی شبیہہ کا تصور موجود ہے۔اس کی مثال قربانی کے جانور ہیں۔جو اس دنبے کی شبیہ ہیں جو حضرت اسماعیل کی جگہ پر ذبح ہوا تھا۔آج اس دنبے کی شبیہ بنا کر ہر سال لاکھوں جانور قربان کیے جاتے ہیں۔حالانکہ ہم خود ہی ان جانوروں کو اس دنبے سے نسبت دیتے ہیں پھر اس کے احترام میں ہم اس کی رسی یا اس کیل کو جس کے ساتھ اسماعیل نبی کی جگہ پر ذبح ہونے والے دنبہ کی شبیہہ بندھی ہو ہم گستاخی نہیں کرتے اور ایسی کامل شبیہہ بناتے ہیں کہ اس طرح اسے ذبح بھی کرتے ہیں۔یہاں اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ ذوالجناح تو ایک تھا پھر ہر شہر ہر گاؤں سے الگ الگ شبیہہ کیوں نکالی جاتی ہے کیوں جس طرح حضرت اسماعیل کی یاد میں ذبح ہونے والا دنبہ بھی ایک ہی تھا لیکن اس کی یاد میں لاکھوں جانور شبیہہ بنا کر ذبح کر دیئے جاتے ہیں لہٰذا جس طرح اس دنبے کی شبیہہ کا مقصد ہے کہ قربانی اسماعیل یاد رہے۔اسی طرح شبیہہ ذوالجناح کا مقصد ہے قربانی حسینؑ یاد رہے۔

ذوالجناح کا ذکر عبادت ہے:

جس طرح حضور پاک ﷺ سے منسوب تمام غیر جاندار اشیاء کا ذکر عبادت ہے۔ مثلاً حضور ﷺ کی کملی کا ذکر کرنا کملی کی نعتیں پڑھنا۔ رسول اللہ ﷺ کی نعلین مبارک کا ذکر کرنا نعلین مبارک کی شبیہ کا احتراماً سینے پر سجائے رکھنا حضور ﷺ کے پاک گھر کا ذکر حتیٰ کہ حضور ﷺ سے منسوب شہر مدینہ کا ذکر کرنا عبادت ہے۔ اسی طرح حضور پاک ﷺ کے گھر سے منسوب جاندار اشیاء جنہوں نے اس گھر سے وفا کی ہے ان کا ذکر بھی عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ ذوالجناح بھی چونکہ رسالت مآب کا گھوڑا ہے جس نے پہلے سید الانبیاء کی سواری بننے کا شرف حاصل کیا پھر نواسہ رسالت مآب کے ساتھ وفا کا حق ادا کیا تو جس گھوڑے نے رسالت مآب اور ان کی اہل بیت سے وفا کی ہو اس کا ذکر کیونکر نہ عبادت ہوگا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اصحاب کہف سے وفا کرنے والے جانور کا ذکر بھی عبادت ہے تو نواسہ رسالت سے وفا کرنے والے کا ذکر بھی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ''سورہ العادیات'' میں مولا علی اور ان کے ساتھیوں کے گھوڑوں کے سموں کی زمین سے ٹکراؤ کے نتیجے میں اڑنے والے غبار کی قسم کھائی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کو وہ چیزیں کتنی عزیز ہیں جن کا تعلق اس گھرانے سے ہے لہٰذا اس ذوالجناح نے اپنی بے زبانی کی زبان سے حکایت وفا اس طرح بیان کی ہے کہ آج اس کا ذکر ہی نہیں اس کی یاد بھی عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

ذوالجناح کو سجانا اور گردن میں دوپٹے باندھنے کی وجہ:

اکثر ذہنوں میں سوال اُٹھتا ہے کہ ذوالجناح کو سجایا کیوں جاتا ہے۔ بھئی آج ہمیں اگر سرداران جنت کا حقیقی ذوالجناح مل جائے اور ہم کو اسے سجانے کا حکم دیا جائے تو ہم نوکر آقا کربلا کے گھوڑے کو کیسے سجائیں گے لہٰذا شبیہ کو بھی ویسا ہی سجایا جاتا ہے جتنا حقیقی ذوالجناح ملنے پر سجایا جاتا تاکہ پتہ چلے کہ یہ واقعی جنت کے سرداروں کی سواری ہی اب رہا سوال کہ گردن میں دوپٹے باندھنے کا تو جب کریم کربلا نے ذوالجناح پر سوار ہو کر مقتل کی طرف رخ کیا تو تمام مستورات نے دو رویہ قطار بنالی جیسے ہی ذوالجناح نے مستورات کی قطار کے درمیان چلنا شروع کیا تمام مسورات نے اپنے سروں پر بندھے کپڑے کھول کر ذوالجناح کی گردن میں باندھنے لگیں اور کہتی گئیں ہمارے سر کے اس

بندھے کپڑے کی لاج رکھنا اور مشکل وقت میں کریم کربلا کو تنہا نہ چھوڑنا۔ یاد رہے عرب خواتین برقعے کو سر پر سنبھالنے کے لیے دوپٹے کی طرح کا ایک کپڑا استعمال کرتی تھیں جو ماتھے سے سر کی پشت کی جانب باندھا جاتا تھا۔ یہ بالکل دوپٹے کی مانند ہوتا تھا۔ یوم عاشور مستورات نے ذوالجناح کی گردن میں یاددہانی کے طور پر سر کے دوپٹے باندھے۔ آج خواتین ان مظلوم مستورات کی یاد میں بطور منت شبیہ ذوالجناح کی گردن میں دوپٹہ باندھتی ہیں اور پروردگار اس رہوار حسینیؑ کے صدقے میں خواتین کی شرعی حاجات مستجاب فرماتا ہے۔

ذوالجناح کے پاؤں کی خاک:

اللہ تعالیٰ نے سورہ العادیات میں مجاہدین کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھنے والے غبار کی قسم کھائی ہے جب مجاہدین کے گھوڑوں کے پاؤں سموں کی خاک اتنی متبرک ہے کہ اللہ قرآن میں اس کی قسمیں کھاتا ہے تو رسول خداﷺ اور امام حسینؑ کے گھوڑے کے سموں کی خاک کتنی متبرک ہوگی لہٰذا ذوالجناح کے قدموں کی خاک خاک شفا ہے۔ کوئی بھی بیماری کیوں نہ ہو اس خاک سے انسان کو شفا مل جاتی ہے جس قسم کا زخم ہو اس کے قدموں سے مس کردہ خاک لگائیں زخم ختم ہو جاتا ہے۔ روایات میں ہے کہ سامری نے حضرت موسیٰ کے گھوڑے کی خاک لے کر سونے کے گوسالے کو زندہ کیا تھا جو آوازیں نکالتا تھا تو امام حسینؑ کے ذوالجناح کے قدموں کی خاک کی کیا تاثیر ہوگی جس خاتون کے اولاد نہ ہوتی ہو تو وہ مستور اپنے دوپٹے کے دامن میں جو یا چنے کی نیاز پیش کر کے ذوالجناح کو کھلائے اور ذوالجناح کے پاؤں کی خاک سر میں لگائے۔ انشاء اللہ آئندہ سال بچہ اس کی گود میں ہوگا۔ معترض کے لیے تجربہ شرط ہے۔ محسن پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی دادی نے بھی اسی ذوالجناح کے آگے منت مانی تھی جس کی بدولت قائداعظم کے والد گرامی کی ولادت ہوئی۔

قائداعظم کی دادی نے ذوالجناح کے آگے منت مانی:

بیان خواجہ حسن نظامی کے مطابق بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے والد ذوالجناح پونجا کی والدہ نے عاشور کے دن اپنے یہاں لڑکا ہونے کی منت مانی اور بیٹا پیدا ہونے پر امام حسینؑ کی سواری ذوالجناح ک نام پر اپنے بیٹے کا نام ذوالجناح پونجا رکھا کثرت استعمال سے ذوالجناح صرف ''جناح'' رہ گیا اور یہی قائداعظم کا خاندانی نام قرار پایا۔ (کتاب ذوالجناح)

ذوالجناح ہندوؤں کی کتابوں میں:

مرحوم غیاث الدین صاحب مدیر معارف اسلام لاہور شہید نینوا نمبر جلد 13 نمبر شمارہ 1 محرم الحرام 1384 ہجری میں لکھتے ہیں۔ راقم الحروف کے زیر مطالعہ اہل ہنود کی چند کتب کے بیانات تھے پڑھتے پڑھتے یجروید کی مندرجہ عبارت پر آنکھیں رک گئیں جو یقیناً قارئین معارف اسلام اور اہل تحقیق کے لیے ہیں۔

نے سبھا بھیم پتی بھیشچ ودنمونمود شو بھیر (شوپتی بھیشچ نمونے) (24غ)

ترجمہ: مجلسوں اور مجلسوں کے مالکوں کو بار بار نمسکار ہے گھوڑں اور گھوڑوں والوں کو بھی بار بار سجدہ ہو ترجمہ از شری پنڈت آتماجی بحوالہ یجروید ادھیائے 16 منتر 24 کتاب وید رتھ پرکاش حصہ اول ص 217 مطبوعہ 1835ء سائی برقی پریس ہال لاز ارامرتسر۔

فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ہندو تہذیب یہ ہے کہ وہ جس کو تعظیم کے قابل سمجھتے ہیں اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں، اور سجدہ کرتے ہیں۔ لہٰذا یہاں ہندوؤں کی کتابوں میں امام حسین اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ان کے گھوڑوں کو بھی سجدہ ونمسکار کے ساتھ عزت وتکریم دی جارہی ہے۔ کلکتہ میں دس محرم کو جب جلوس عزا گزرتا ہے تو مسلم اور غیر مسلم ہندو عورتیں اور مرد ذوالجناح کے آگے گھڑوں میں پانی لاکر زمین پر بہاتے ہیں، اور آب جاری ظاہر کر کے بتاتے ہیں کہ ہم اپنے مہمان کو پیاسا نہیں رکھتے۔ بے زبان جانور کے لیے بھی پانی حاضر ہے، اور یہ تعلیم بھی اسی پیشوائے اعظم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ جس نے حر نامدار کے لشکر کو مع راکب ومرکب سیراب کیا۔ (ذوالجناح)

زیارت قبور اور فاتحہ

اس میں شک نہیں ہے کہ قرآن وسنت کی رو سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مطہر کی زیارت آئمہ معصومین علیہ السلام واولیاء کی قبور کی زیارت ایک شرعی اور پسندیدہ عمل ہے۔ پوری تاریخ اسلام میں مسلمان اسی پر عمل پیرا رہے ہیں اور اس طرح مادی اور معنوی کمالات سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔

قبروں کی زیارت سنت رسول ہے:

حضورؐ نے سب سے پہلے تاریخ میں حدیبیہ سے پلٹتے ہوئے ابواء کے مقام پر اپنی مادر گرامی جناب آمنہ کی قبر کی زیارت کی اصحاب بھی ساتھ تھے۔ حضورؐ ماں کی قبر پر آئے۔ ماں کو یاد کر کے روئے گریہ کیا لہٰذا ثابت ہوا کہ قبروں کی زیارت بدعت نہیں سنت رسول بھی ہے، اور سنت صحابہ بھی ہے۔ پھر حضورؐ فتح مکہ کے بعد جناب خدیجہ کی قبر پر بیٹی کے ساتھ آئے۔ چنانچہ جناب خدیجہؑ کی قبر کی زیارت بھی سنت رسول قرار پائی۔ جبکہ اسی خدیجہ کی بیٹی کی قبر شیخ نجدی نے شاہ مسعود کے ذریعے تو یوں سے جنت البقیع کی عمارت اور خوبصورت روضے مہدم کروادیئے۔ جنت البقیع کے بعد تو یوں کا رخ روضہ رسولؐ کی طرف کر دیا گیا تھا۔ مگر طائر نے آکر منقار سے شاہ سعود کی آنکھ پھوڑ دی ہدف روضہ رسول ہی تھا۔ مگر بیٹی سپر بن گئی روضہ رسولؐ پر چلنے والا حربہ مزار فاطمہؑ پر چل گیا۔

صفوان جمال سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضورؐ کچھ اصحاب کے ہمراہ جمعرات کے دن مدینہ کے قبرستان کی طرف تشریف لے جاتے تھے۔ اور وہاں کھڑے ہو کر

فرمایا کرتے تھے اس دیار کے رہنے والوں اللہ تم پر رحم کرے۔ (کامل الزیارات)

مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب نے اپنی کتاب جاء الحق میں بسند معتبر درج کیا ہے کہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں شیطان لعین ان کے پاس آیا اور کہا میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں اور اللہ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ حضرت نوح نے خالق سے دعا کی پروردگار کوئی ہے گنجائش اس کی معافی کی۔ آواز قدرت آئی۔ میرے پیارے نبی اس شیطان سے کہہ دے اگر آج آدم کی قبر کو سجدہ کرلے تو میں اس کے گناہ معاف کردوں گا۔ حضرت نوحؑ نے جب اللہ کا پیغام شیطان تک پہنچایا تو کہتا ہے جس زندہ آدم کو سجدہ نہیں کیا اُس کی قبر کو کیسے کروں تو پتہ چلا اگر قبروں کا احترام شرک ہوتا تو اللہ قبر آدم کو سجدے کا حکم نہ دیتا اور دیکھئے قبر آدم کے سجدے کے بدلے شیطنت کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ فخر آدم کی قبر کا احترام کرنے سے بشریت کے گناہ معاف نہیں ہو سکتے؟

اسی طرح مورخین نے زمانہ رسالتؐ میں ایک صحابی کا جنت کی دہلیز چومنے کی منت ماننا اور حضورؐ کا اُسے اپنی ماں کی قبر کو چومنے کا حکم دینا احترام قبر اور اس کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے۔

قبر رسول کی زیارت احادیث کی نظر میں:

خود رسول کریمؐ سے ان کی قبر مطہر کی زیارت اور اس کی تعظیم کے بارے میں بہت زیادہ روایات بیان ہوئی ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "من زار قبری وجبت له شفاعتی" جو شخص میری قبر کی زیارت کرے تو مجھ پر واجب ہے کہ اس کی شفاعت کروں۔ (سنن دار قطنی و سنن الکبریٰ)

عبداللہ بن عمر ایک مرفوع روایت میں بیان فرماتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ "جو شخص میری زیارت کی نیت سے میرے پاس آئے۔ تو میرے لیے ضروری ہے کہ روز قیامت اس کی شفاعت کروں۔ (المعجم الکبیر والوفاء الوفا)

عبداللہ ابن عمر ایک اور روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا: جس نے خانہ کعبہ کا حج کیا اور میری رحلت کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔ (المعجم الکبیر 12 ص 406 سنن دار قطنی ۲ ص 278)

فتوح الشام میں حضرت عمر کے متعلق یوں نقل ہے کہ حضرت عمر نے جب اہالیان بیت المقدس کے ساتھ صلح کی تو کعب الاحبار ان کے پاس آیا اور اسلام قبول کیا حضرت عمر اس کے اسلام لانے سے خوش ہوئے اور اس سے کہا کیا تم میرے ساتھ مدینہ جانا پسند کرو گے تا کہ وہاں قبر رسولؐ کی زیارت کر کے اس سے فیض یاب ہو سکو۔ کعب الاحبار نے اس کو قبول کیا، اور جب حضرت عمر مدینہ میں داخل ہوئے۔ تو سب سے پہلے کام یہ کیا کہ قبر رسولؐ پر جا کر سلام کیا۔ (فتوح الشام)

عبداللہ ابن عمر ہمیشہ قبر رسولؐ کے کنارے کھڑے ہو کر سلام بھیجا کرتے تھے۔

اس علاوہ سیدہ فاطمہ زہرا، مولا علی، آقا حسن و حسینؑ و دیگر حضرات اہل بیت کی سیرت میں قبر رسول اللہ کی زیارت کے لئے آنا ثابت ہے۔

دیگر قبور کی زیارت:

گذشتہ مطالب رسول خداؐ کی قبر کے متعلق تھے۔ اب بقیہ قبور کی زیارت کا جواز معلوم کرتے ہیں۔ اس میں اختلاف نہیں کہ خود آنحضرتؐ قبور کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے، اور مسلمانوں کا یہی طریقہ کار رہا ہے، چنانچہ رسول خدا نے فرمایا۔

اپنے مردوں کے پاس جاؤ، اور ان پر درود یعنی سلام بھیجو اس لیے کہ وہ تمہارے لیے باعث عبرت ہیں۔ (اخبار مکہ)

پیغمبر اسلامؐ ہمیشہ سال کے شروع میں شہداء کی قبور کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔

عبداللہ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا۔ ''آگاہ ہو جاؤ اس کے بعد قبور کی زیارت کیا کرو۔ اس لیے کہ یہ تمہیں دنیا سے دوری اور آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔ (وفاء الوفاء)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد ہے جو شخص ہماری زیارت کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ ہمارے دوستوں اور صالح اور نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت کرے تو اس کو ہماری زیارت کا ثواب ملے گا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں جو شخص اپنے مومن بھائی کی قبر پر آئے۔ اس کے بعد اپنا ہاتھ اس قبر پر رکھے اور سات مرتبہ سورہ قدر پڑھے تو وہ قیامت کی ہولناک کی وحشت اور پریشانی سے نجات پائے گا۔ (کامل الزیارات)

خواتین کا زیارت قبور کرنا:

ابن ملیکہ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا کہ وہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن جسے حبشی (جنوب مکہ) میں ناگہانی موت آئی۔ کی قبر کی زیارت کے لیے قبرستان جارہی تھیں ان سے پوچھا گیا کہ کیا رسول خداؐ نے قبور کی زیارت سے منع نہیں فرمایا تھا، تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا ہاں منع کیا تھا۔ لیکن دوبارہ اس کا حکم دے دیا۔ (سنن الکبریٰ)

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت میں واضح ہے کہ وہ رسول خداؐ کی قبر کی زیارت کیا کرتی تھیں، اور ہر جمعہ کے دن یا ہر ہفتے میں دوبار حضرت حمزہ اور دیگر شہدائے احد کی زیارت کے لیے جایا کرتی۔ چنانچہ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

دختر پیغمبر حضرت فاطمہؑ حضرت حمزہ کی قبر کی زیارت کے لیے جایا کرتی تھیں۔ اسے درست کرتیں اور اس پر علامت کے طور پر پتھر رکھا۔

رزین کہتے ہیں امام باقر علیہ السلام نے فرمایا حضرت فاطمہؑ ہر دو تین دن میں ایک مرتبہ شہداء کی قبور کی زیارت کیا کرتیں۔ جبکہ مولا علیؑ نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ چچا کی قبر پر جا کر گریہ کرتیں اور نماز پڑھتی۔ (السنن الکبریٰ)

جناب زہراؑ اہل بیت النبوہ ہیں اور گھر کے اندر جو کچھ ہوتا ہے گھر والے اس سے بہتر آگاہ ہیں اس کے علاوہ وہ والد گرامی کی زندگی میں شہدائے احد کی زیارت کے لیے جایا کرتی تھیں، اور سات سال تک زمانہ پیغمبرؐ تک ان کی یہی سیرت رہی۔ پس اگر عورتوں کا زیارت قبور کرنا حرام ہوتا تو رسول خدا نے انہیں اس عمل سے کیوں نہ روکا۔

اسی طرح جناب زہراؑ رسول خداؐ کی رحلت کے بعد ان کی زیارت کے لیے تشریف لے

جاتیں۔ جیسا کہ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ کی وفات ہوئی۔ تو فاطمہؑ اپنے پدر کی قبر پر کھڑی ہوئیں۔ مٹھی بھر خاک آنکھوں میں ڈالی اور گریہ کیا۔ اگر واقعاً قبروں کی زیارت عورتوں پر حرام تھی تو حضرت علی نے ان کو منع کیوں نہ کیا۔ کیا حضرت فاطمہؑ اور حضرت عائشہ کی سیرت احکام رسول کے خلاف تھی؟ جو کہ ممکن نہیں لہٰذا جن عورتوں کو منع کیا ہے اس کی وجہ ہے جو عورتیں اپنے عزیز و اقارب کی موت پر صبر نہ کریں۔ اور نامحرموں کے سامنے چیخ و پکار کریں۔

فاتحہ خوانی:

بعض حضرات کے نزدیک تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے فاتحہ دعا پڑھنے کو بھی بدعت قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ یہ سنت رسولؐ ہے جیسا کہ بخاری ج ص 619، مسلم ص 303 پر مروی ہے۔ کہ رسول خداؐ نے اپنے صحابی عبید ابو عامر کی خبر وفات سن کر رفع یدیہ ہاتھ اٹھائے اور ثم قال اللھم اغفر لعبید ابی عامر یعنی یا اللہ ابو عامر کی مغفرت فرما۔ اسی طرح قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بھی جناب رسول خداؐ سے ثابت ہے۔ (ملاحظہ ہو مسلم جلد 1 ص 313 ج 2 ص 218)

وفا الوفا باخبار المصطفیٰ میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں رسول خداؐ رات کے آخری حصہ میں گھر سے نکل کر بقیع کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے اور وہاں پہنچ کر فرماتے۔

سلام ہو تم پر اے مومنین کے گھرو جس چیز کے آئندہ آنے کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا وہ آن پہنچی اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ اے پالنے والے اہل بقیع غرقد کو بخش دے۔

عقل کی رو سے زیارت قبور کا جواز:

زیارت کے جواز کے لیے عقلی دلائل سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ وہ یوں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے عظمت و بزرگی عطا کی ہو اس کی تعظیم کی جائے، اور زیارت قبور بھی ایک طرح کی تعظیم ہے۔ پس رسول خداؐ آئمہ معصومین اولیاء صلحا کی قبور کی زیارت بھی ان کے احترام میں شمار ہوتی ہے۔ یہ

شعائر الٰہی میں سے ہے اور ایک پسندیدہ عمل ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب (سورہ حج)

ہر عقل شعائر کی تعظیم کا حکم لگاتی ہے اس لیے کہ ایسے اعمال انسان کو خدا سے نزدیک کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ لہٰذا زیارت قبور وہی شعائر الٰہی کی تعظیم ہے۔ جو شرعی طور پر رجحان رکھتا ہے۔ اور انبیاء اولیاء کا احترام ان کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ہمیشہ کے لیے واجب ہے اس بارے امام مالک مبفور سے کہتے ہیں پیغمبر کا احترام ان کی وفات کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا ان کی زندگی میں تھا۔ (وفا الوفا با اخبار المصطفی)

اگر شعائر الٰہی کی تعظیم اور قبور کا احترام ہو کہ عبادت شمار ہوتا ہے شرک ہو تو بہت سارے امور حرام قرار پائیں گے جن میں خانہ کعبہ کی تعظیم، حجر اسود کا چومنا، مقام ابراہیم علیہ السلام، مسجد نبوی کی تعظیم، ملائکہ کا حضرت آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونا، قوم موسیٰ کا باب حطہ کا سجدہ کرنا، والدین کی تعظیم، مسجد اقصیٰ میں موجود انبیاء کی قبروں کی تعظیم وغیرہم یہ سب شرک قرار پائے گا۔ جس طرح اللہ کے گھر کو سجدہ اللہ کو سجدے کے مترادف ہے حالانکہ اللہ کعبے کے اندر محدود نہیں ہے۔ اسی طرح قبر کی زیارت و تعظیم بھی صاحب قبر کی زیارت و تعظیم کے مترادف ہے۔

داؤد بن صالح کہتے ہیں۔ ایک دن مروان نے دیکھا کہ کوئی شخص قبر رسول پر رخسار رکھے ہوئے ہے۔ وہ اس کے قریب گیا اور اسے گردن سے پکڑ کر کہا جانتے ہو کیا کر رہے ہو مروان نے جب توجہ کی تو کیا دیکھا حضرت ابو ایوب انصاریؓ ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں مجھے معلوم ہے کہ کیا کر رہا ہوں میں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا بلکہ رسول خداؐ کے پاس آیا ہوں۔

حضرت عمرؓ کا طریقہ کار:

طبری (ریاض النضرہ) میں لکھتے ہیں ایک مرتبہ جب حضرت عمر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حج بجالانے کے لیے نکلے تو راستے میں ایک بوڑھے شخص نے ان سے مدد طلب کی۔ جب حج سے واپس پلٹنے لگے تو ابواء کے مقام پر اس شخص کے بارے میں سوال کیا۔ تو معلوم ہوا وہ فوت ہو چکا ہے

جیسے ہی یہ خبر سنی بڑے بڑے قدم رکھتے ہوئے اس کی قبر پر پہنچے اس کے لیے نماز ادا کی اور قبر کو گلے لگا کر گریہ کیا۔ (ریاض النضرہ)

ابو مالکی کا نظریہ:

کوثری کہتے ہیں۔ ابو مالکی نے بیان کیا جو بھی کسی نیک انسان کی قبر پر مسجد بنائے یا اس کے مقبرہ میں نماز ادا کرے جبکہ اس شخص کا مقصد اس شخص کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ہے اس کی قبر کے پاس دعا مستجاب کروانا ہے، تو اس میں کوئی اشکال نہیں اور اس کی دلیل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر مبارک ہے جو مسجد الحرام میں خانہ کعبہ کے پاس ہے، اور اس میں نماز ادا کرنا باقی مقامات پر ادا کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ (شرح صحیح مسلم 2-234 المقامات کوثری 246)

◆•◆•◆•◆•◆

بی بی شہر بانو (سلام اللہ علیہا)

شیخ مفید علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ جناب شہر بانو بادشاہ ایران یزدجرد بن شہر یار شیرویہ ابن پرویز ابن ہرمز بان نوشیراں عادل کسریٰ کی بیٹی تھیں۔ (ارشاد علامہ مفید) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب شہر بانو ایران سے مدینہ کے لیے روانہ ہو رہی تھیں تو جناب رسالت مآب ﷺ نے خواب کے عالم میں ان کا عقد امام حسین علیہ السلام سے کر دیا اور جب مدینہ پہنچیں تو حضرت علیؑ نے امام حسینؑ کے سپرد فرما کر کہا یہ وہ عصمت پرور بی بی ہے کہ جس کے بطن سے تمہارے بعد افضل اوصیا بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ کامل مبرد میں ہے کہ جناب شہر بانو معروفتہ النسب اور بہترین عورتوں میں سے تھیں۔

جناب شہر بانو کی مدینہ میں آمد:

کہا جاتا ہے کہ عہد خلیفہ ثانی خلیفہ ثانیؓ میں فتح مدائن کے موقع پر جناب شہر بانو لشکر اسلام کے ہاتھ لگیں تھیں اور وہاں سے اپنی دیگر بہنوں کے ساتھ مدینہ پہنچ کر حضرت امام حسین کی زوجیت سے مشرف ہوئیں لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ فتح مدائن 16 یا 17 ہجری میں ہوئی اور جناب شہر بانو کا باپ یزدجرد 21 سال کی عمر میں 14 ہجری میں عنان حکمرانی کا مالک ہوا۔ سمجھ نہیں آتی ایک عجمی جو گرم علاقے باشندہ نہ ہو وہ عربوں کی طرح اتنی تھوڑی عمر میں شادی کے قابل کیسے ہو سکتا ہے کہ 16 ہجری تک اس کی بیٹیاں پیدا ہو کہ اس قابل ہو جائیں کہ ان کی شادی ہو سکے اور امام حسین جن کی ولادت 4 ہجری میں ہوئی 16 یا 17 ہجری میں کمسنی میں کیسے شادی کر سکتے تھے جبکہ امام حسنؑ امام حسینؑ سے بڑے تھے۔

شبلی نعمانی خلیفہ ثانیؓ کا حال لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت شہر بانو کا قصہ جو غلط مشہور ہو گیا ہے۔ اس کا ذکر کرنا ضروری ہے عام طور پر مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدجرد بادشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر آئیں۔ خلیفہ ثانیؓ نے بازار میں لونڈیوں کی طرح انہیں بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؑ نے منع کیا کہ شاہی خاندان کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اس طرح ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے چنانچہ حضرت علیؑ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسینؑ کو ایک محمد بن ابی بکر اور ایک عبداللہ ابن عمر کو عنایت کیں۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری جن کو فن تاریخ سے کوئی واسطہ نہیں۔ ربیع الابرار میں اس کو لکھا ہے اور ابخلکان نے امام زین العابدین کے حالات میں اس کو درج کیا ہے لیکن یہ محض غلط ہے۔ اولاً تو زمخشری کے علاوہ طبری ابن اثیر، یعقوبی، بلاذری ابن قتیبہ وغیرہ نے کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ ثانیاً تاریخی قرائن بالکل اس کے خلاف ہیں۔ خلیفہ ثانیؓ کے عہد میں یزدجرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو حاصل نہیں ہوا تھا۔ مدائن کے معرکہ میں یزدجرد مع تمام اہل وعیال دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا جب مسلمان حلوان پہنچے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہنچ کر 30 یا 31 ہجری حضرت عثمانؓ کی خلافت میں مارا گیا۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدجرد کا قتل کس عہد میں ہوا۔ اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس وقت امام حسین کی عمر 12 سال تھی..... یہ امر بھی کسی قدر مشتبہ ہے۔

تاریخ سے استنباط کیا جائے تو یوں ہے کہ یزدجرد مرو میں خاقان چین کی سازشی امداد کی وجہ سے عہد عثمانی میں مارا گیا اس کے بعد عہد عثمانی بدل گیا اور حضرت علی کا زمانہ آ گیا۔ جنگ جمل کے بعد ایران خراسان کے مقام مرو میں سخت بغاوت ہوئی۔ اس وقت ایران میں حریث ابن جابر جعفی گورنر تھے۔ حضرت علیؑ نے اس بغاوت کو ختم کرنے کے لیے امدادی طور پر خلید ابن قرہ کو روانہ کیا جنگ ہوئی لشکر اسلام نے فتح حاصل کی حریث ابن جابر جعفی نے یزدجرد ابن شہریار کی دو بیٹیاں شہر بانو اور کیہان بانو کو عام اسیروں کے ساتھ حضرت علیؑ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت علیؑ نے شہر بانو کو امام حسین اور کیہان بانو کو محمد ابن بی بکر کی زوجیت میں دے دیا۔ (روضۃ الصفاء) بعض مورخین نے

ایک اور بیٹی ریحان بانو کا ذکر کیا ہے جس کا عقد ہندوستان کے ریاست الور کے حاکم کے ساتھ ہوا۔ ریاست الور میں مدرسۃ الواعظین لکھنو کے مولانا سید ممتاز حسین صاحب نے اپنے کئی رفیقوں کے ساتھ وہاں کے آثار قدیمہ میں چوتھے امام کا وہ خط دیکھنے کا شرف حاصل کیا جو امام سجادؑ نے مدینہ سے اپنی خالہ کے نام لکھا تھا جبکہ بعض مورخین کا خیال ہے مادر سید سجادؑ حالت نفاس میں انتقال کے بعد امام حسین سے یزدجرد کی دوسری بیٹی کا نکاح ہوا۔ 38 ہجری میں بی بی شہر بانو کے بطن سے سید سجادؑ کی ولادت ہوئی جبکہ کیہان بانو کے بطن سے قاسم بن محمد بن ابی بکر کی ولادت ہوئی۔ منقول ہے جب جناب شہر بانو دختر یزدجرد سلطان عجم کی مدینہ منورہ میں تشریف لائی تھیں تو 100 کنیزیں حضرت کے ساتھ تھیں جناب سید الشہداء کی خدمت میں پہنچیں تو 50 کنیزیں اسی شب کو آزاد کیں اور جب امام زین العابدین پیدا ہوئے تو 40 کنیزیں آزاد کیں 10 کنیزیں اپنی خدمت کے لیے رکھیں ان دس میں شیریں بھی تھی جسے امام مظلوم نے آزاد کیا۔ آزادی کے بعد شیریں خدمت جناب شہر بانو میں رہی۔ صاحب محیط الغرا لکھتے ہیں کہ جب شیریں کا نکاح زریر عسقلانی کے ساتھ ہو گیا تو خدمت امامؑ سے رخصت ہوتے وقت رو کر عرض کی اے آقا پھر بھی کبھی مجھے ان قدموں کی زیارت ہو گی۔ امامؑ نے فرمایا شیریں ایک دو روز مع اہل وعیال تیرے گھر آ کر مہمان ہوں گا۔ شیریں اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی اور پہاڑ معمورہ پر مقیم ہوئی اور امام کے ایفائے عہد کی منتظر تھی جب فوج شام شہادت امام کے بعد سروں کو نیزوں پر بلندی کر کے مستورات کو قید کر کے شام کی طرف روانہ ہوئے تو اسی جبل معمورہ جس کی بلند پر شیریں کا مسکن تھا۔ قافلہ ٹھہرا۔ شیریں نے جب نیزوں پر سروں کو دیکھا اور رسن بستہ مستورات سے پوچھا کہ تم کون ہو تو بی بی زینب نے کہا پہچان شیریں میں زینب ہوں اور وہ سر حسین ہے جو نیزے پہ بلند ہے شیریں یہ منظر دیکھ کر بے ہوش ہو گئی کہ امام نے اپنا وعدہ یوں پورا کیا۔

نوٹ: ایران میں مقام قصر شیریں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

وفات شہر بانو علیہا السلام:

جناب شہر بانو کی وفات کے متعلق مختلف اقوال کتب مقاتل میں پائے جاتے ہیں چنانچہ ایک قول کے مطابق جناب شہر بانو کی وفات امام زین العابدین کی ولادت کے بعد مدت نفاس میں ہو گئی تھی جیسا کہ شیخ صدوق علامہ باقر مجلسی وغیرہ کا مسلک ہے۔

بعض محققین کے مطابق جناب شہر بانو دس محرم کو کربلا میں موجود تھیں۔ جیسا کہ طبری ابن شہر آشوب مجلسی وغیرہ کے قلم سے ثابت ہے جبکہ ابوعبداللہ محمد بن علی بن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جب خیموں کو آگ لگی تو جناب شہر بانو ذوالجناح پر سوار ہو کر گھوڑے سمیت فرات کے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ لیکن یہ خودکشی کے مترادف تھا لہذا بی بی ایسا نہیں کر سکتی تھیں۔ ہر دو اقوال کے بعد بی بی کے بارے اسیری کا قول بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ آیت اللہ قاضی نور اللہ شوستری کے ایک شعر میں بھی اسیروں میں شہر بانو کا نام پایا جاتا ہے۔

شہربانو و زینب گریاں
ماندہ در فعل ناکساں حیراں

جونپور (بھارت) کے مشہور شاعر شفیق صدیقی بھی اسیروں میں بی بی کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ شفیق صدیقی کی خرمن عشق سے ماخوذ اشعار۔

شہربانو قرۃ العین پیمبر السلام
السلام اے مرتضیٰ را مثل دختر السلام
اے بتول وقت خاتون حسین مجتبیٰ
اے بعاشورہ گرفتار ستم گر السلام

اس سے سبط ابن جوزی نے بی بی کے نکاح ثانی کا اختراء کیا ہے جس کا فریقین میں کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ چوتھی رائے ان کے بارے میں بی بی کا کوہ رے میں غائب ہونا ہے اور یہ مقام ایران میں اب تک موجود ہے اور ایران کے مآثر تبرکہ میں یہ جگہ مقاتل سفرناموں میں ضبط تدوین آ چکی ہے۔

کوہ رے کی جانب سفر کی روایت:

امام حسین نے اپنی بہن کی تحریک پر دوستوں اور عزیزوں کو خط لکھے۔ حبیب ابن مظاہر وغیرہ دوستوں کو خط لکھنے کے علاوہ یزدجرد کے خاندان والوں کو بھی خط لکھا کیونکہ جناب شہر بانو کا بھائی شہریار زندہ تھا۔ 10 محرم جب امام حسین خیمہ میں تشریف لائے۔ سب بیبیاں روتی پیٹتی دوڑیں کوئی بی بی دامن سے لپٹ گئی۔ کوئی ذوالجناح کے سموں میں سر پٹکنے لگی۔ اسی اثناء میں جناب شہر بانو

پریشان حال خدمت امام میں حاضر ہوئیں اور عرض کی اے آقا قریب ہے کہ آپ قوم اشقیاء کے ہاتھوں شہید ہوں اور میں آپ کے بعد صحرا میں ذلیل و خوار ہو جاؤں کیونکہ میں ملک عرب میں بے حامی و مددگار ہوں۔ میری قوم کا کوئی فرد ابھی ایسا نہیں جو میری مدد کرے اور میری قوم والے ابھی تک مدد کو پہنچے بھی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ قوم اشقیاء مخدرات عصمت و طہارت دختران رسول خدا سمجھ کر ان کی تعظیم و توقیر کریں جبکہ میں خاندان رسالت میں سے نہیں ہوں۔ جناب شہر بانو کو اس وقت تک یقین تھا کہ قوم اشقیاء امام حسین کا قتل دنیاوی لالچ کی وجہ سے کر رہی ہے لیکن دختران رسول کے ساتھ ضرور تعظیم کے ساتھ پیش آئیں گے لیکن افسوس کے یہ نہیں پتہ تھا کہ بعد شہادت امام حسین ظالم دختران رسول کو بھی سر برہنہ قید کر کے شتران بے کجاوہ پر قریہ قریہ پھرائیں گے بہر کیف جب امامؑ نے یہ کلام سنا تو بہت روئے اے شہر بانو ہرگز خوف نہ کر اللہ تمہاری آبرو کا محافظ ہے جب میں شہید ہو جاؤں اور گھوڑا میرے خون سے اپنے بال رنگین کر کے اہل بیت کو خبر دے کر اس وقت تم ذوالجناح پر سوار ہو جانا۔ وہ تمہیں بحکم خدا محفوظ مقام تک پہنچا دے گا۔

چنانچہ مظلوم کربلا کی شہادت کے بعد خون آلودہ پیشانی کے ساتھ روتا ہوا پاؤں سے خاک اڑاتا خیام میں پہنچا تمام مستورات ذوالجناح کے گلے لگ کر روتی رہیں پھر بی بی شہر بانو اہل بیت رسول سے رخصت ہو کر سکینہ کو گلے لگا کر سوار ہونے لگیں جیسا کہ حکم امام تھا۔ سوار ہوتے ہوئے بی بی نے حسرت کے ساتھ مقتل کی طرف دیکھا بے اختیار رونے لگیں اور کہنے لگیں میرے آقا میرے وارث کہاں ہو جو مجھے عزت و احترام اور پردہ کا اہتمام کر کے سوار کرائے۔ غرض بی بی شہر بانو رخصت ہوئیں۔ چند قدم چلیں کہ عمر سعد نے اپنی فوج کو آواز دی دیکھو یہ کون عورت خیمہ سے جاتی ہے۔ جانے نہ پائے مگر کوئی طاقت شہزادی کو روک نہ سکی گھوڑا آگے بڑھا۔ یہ حسینی فتح کا اعلان تھا کہ کوئی لشکری بی بی کو گرفتار نہ کر سکا پتہ چلا کہ باقی مستورات بھی اسیری پر مجبور نہیں تھیں امر الٰہی کے آگے مجبور ہو کر اسیری قبول کی۔ صحرا کو پار کرتی ہوئیں مخدومہ نے دیکھا رستے میں ایک لشکر آ رہا ہے۔ بی بی نے سمجھا یہ فوج عمر سعد کی مدد کو جا رہی ہے۔ باگیں رہوار کی دوسری طرف پھیریں۔ سردار لشکر نے دیکھا کہ ایک نقاب پوش سوار کربلا کی طرف سے آ رہا ہے۔ خود گھوڑا آگے بڑھایا۔ قریب آ کر کہا اے سوار خائف نہ ہو مجھے تجھ سے اپنا آقا حسین کا حال دریافت کرنا ہے۔ سنتے ہی ٹھہر گئیں اور کہنے

لگیں تو کون ہے جو حسین کا حال پوچھ رہا ہے۔ سردار لشکر نے کہا میں آقا حسینؑ کا غلام اور رشتہ دار ہوں بی بی نے کہا غلامی کا دعویٰ تو ہر مسلمان کرتا ہے مگر رشتہ دار کیسے ہو۔ وہ بولا میری ایک بہن شہر بانو امام حسین کی کنیزی میں ہے۔ کربلا جاتے ہوئے مولا حسینؑ نے خط لکھا تھا کہ اہل کوفہ مجھ سے برسر دغا ہیں۔ نصرت اسلام کے لیے آ جاؤ میں اپنا لشکر لے کر ان کی نصرت کے لیے جا رہا ہوں یہ سنتے ہی مخدومہ نے نقاب چہرے سے الٹ دی اور رو رو کر چلائیں اے میرے بھائی اب کس کی مدد کو جا رہے ہو قتل الحسین بکربلا ذبح الحسین بکربلا. ظالموں نے اپنے نبی کے نواسے کو بھوکا اور پیاسا ذبح کیا۔ ہم کو بے وارث اور بچوں کو یتیم کر دیا۔ ہمشکل پیمبر کی جوانی خاک میں مل گئی۔ عباس کے شانے کاٹے گئے۔ چھ ماہ کے علی اصغر کو تیر نے ذبح کر دیا۔ قاسم کے سہرے اجڑ گئے۔ اب کوئی سوائے بیمار کربلا باقی نہ رہا کیا جانے اس پر کیا بیت رہی ہے۔ زندہ ہے یا باپ اور بھائیوں کے صدمے سے مر گیا ہے۔ نامعلوم اس وقت رسول خدا کی بیٹیاں کس مصیبت میں ہیں۔'' سنتے ہی شہر یار نے دستار زمین پر پھینکی۔ بہن بھائی گلے لگ کر روتے ہوئے غش کر گئے۔ سارا لشکر نے سیاہ لباس پہنے تین دن تک صحرا میں ماتم ہوا۔ پہاڑوں سے جنگلوں سے واحسینا کے علاوہ کوئی صدا نہ آتی تھی۔ بحور الغمہ جلد ایک مجلس 62۔

جبکہ بحور الغمہ کی جلد دوم میں اس واقعہ کے بعد بی بی کے بھائی شہر یار کا کربلا میں تشریف لانا لکھا ہے جب سب کچھ اجڑ چکا تھا اور شہزادی بحکم امام بھائی سے رخصت ہو کر کوہ رے کی جانب عازم سفر ہوئیں اور حکم الٰہی کے تحت میں اپنے مرکز پر پہنچیں۔ حکم ایزدی اور مشیت امام کے مطابق یہاں رکیں اور دامن کوہ میں غائب ہو گئیں۔ چادر کا گوشہ یا جز اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے نمایاں تھا کہ یہ مقام روپوش ہونے کا ہے جہاں مدتوں مردوں کا گزر نہ تھا بلکہ جس کے فرزند نرینہ پیدا ہونے والا ہوتا وہ بھی قریب نہیں پہنچتی تھی۔ یہ معظمہ کے پردے کا عظیم قدرتی انتظام تھا جس نے اس مقام کو صدیاں گزرنے پر بھی مٹنے نہ دیا۔

قلمی بیاض پر چند ورق اس بات پر ایک ایک شاہکار ہیں۔ سب سے بڑے ادیب اور مرثیہ گو میر ضمیر لکھنوی جو غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ضمیر صرف شاعر ہی نہ تھا بلکہ راست گو واقعہ نگار اور مرزا دبیر جیسے شاعر کے شاگرد تھے۔

میر ضمیر اس واقعہ کی نقشہ کشی مراثی ضمیر میں یوں کرتے ہیں کہ جب رسول خدا نے ذوالجناح امام حسین کے حوالے کیا تو انہیں واقعہ کربلا یاد آ گیا اور بولے۔

کہہ یہ روئے بہت حضرت محبوب خدا
ذوالجناح اپنے نواسے کو دیا اور کہا
ایسا ہوشیار یہ گھوڑا ہے اٹھا لے گا جفا
تین دن ساتھ تمہارے یہ رہے گا پیاسا
شہربانو کو یہی کوہ تک پہنچائے گا
پھر تیری لاش پہ رو رو کے یہ مر جائے گا

اس نشست کا آخری شعر یہ ہے۔

اور کہا جاؤ ادھر مرکب محبوب خدا
جس جزیرے کا پتہ ہے میرے نانا نے دیا

ضمیر کے آخری شعر میں شہربانو کی فرودگارہ کو جزیرہ بتایا گیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مظلومہ میدان کربلا سے کس راستہ سے تہران پہنچیں کیونکہ دشوار گزار راستہ میں بی بی کی سختیاں اور بڑھتی جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ خلیج فارس کی راہ اپنی پہاڑی پر پہنچیں اور بڑا طویل فاصلہ ذوالجناح نے سطح آب تک طے کیا واقعہ میں جزیرہ کا لفظ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اصحاب کہف کی طرح ان کا بھید بھی پردہ خفا میں رہا۔

یہ روایت میر محمد شاہ مرحوم قادر الکلام خطیب تھے ان کی کتاب میں موجود ہے جبکہ 1288 ہجری میں پنجاب کے محدث میر امداد علی کیرانوی صاحب سفر زیارات کے بعد ایک ذاکر کی حیثیت سے اس روایت کو بڑھا کرتے تھے۔

جو محدثین روایت شہربانو کے قائل ہیں۔ ان میں صاحب جواہر الایقان کا نام نامی بھی ہے۔ ان کی تحریر کا ترجمہ یوں ہے۔

یہ خاتون ستم رسیدہ شہربانو شاہ یزدجرد کی بیٹی امام کی بی بی تھیں اور شاہ زناں امام چہارم کی ماں کے علاوہ تھیں جو زچہ خانہ مین رحلت کر چکی تھیں۔ شہربانو امام زین العابدین کی خالہ تھیں جس کو

امام مظلوم نے بیوگی کے بعد عقد سے سرفراز کیا اور ان کی استدعا پر کہا تھا کہ بعد شہادت جب گھوڑا سواری کا آئے تو درخیمہ سے اس پر تم سوار ہو جانا۔

مادر امام کی رحلت اگر یقینی ہے تو چونکہ مادر امام چہارم کا نام میں اختلاف موجود ہے لہٰذا اس مسلک کو اختیار کرنے میں مضائقہ نہیں۔ علامہ مجلسی جلاء العیون میں امام چہارم کے حالات میں لکھتے ہیں کہ امام چہارم کی کنیت ابو محمد جبکہ ماں کا نام شہہ زناں دختر یزدجرد ہے جبکہ بعض کے نزدیک شہر بانو ہے۔ اہل سنت کے عالم کمال الدین نے مطالب السئول میں چوتھے امام کی والدہ کا نام غزالہ درج ہے۔

مجلسی علیہ الرحمہ کے بیان سے اگر ہم شہر زناں اور شہر بانو کو دو عورتیں فرض کر لیں تو ایک طرف ان کی ماں کے انتقال کا نظریہ بھی ٹھیک رہتا ہے اور دوسری طرف روایت شہر بانو بھی قائم رہ جاتی ہے۔ مولوی سید ناصر حسین جونپوری وفات 1313 ہجری نے ریاض الشہادت میں روایت نقل کی ہے۔ وفات مادر امام زین العابدین زچگی میں تسلیم ہو لیکن سیرت میں پایا جاتا ہے کہ امام حسین نے ان کی بیوہ بہن کے ساتھ عقد کیا جو رشتہ میں چوتھے امام کی خالہ تھیں اور واقعہ کربلا میں ان کو حکم ہوا تھا کہ درخیمہ پر ذوالجناح کے آنے پر وہ سوار ہو کر مشیت ایزدی کے تحت میں کربلا چھوڑ دیں وہ جہاں منظور الٰہی ہوگا پہنچائے گا چنانچہ سواری اس خاتون کی مملکت رے کے اس مقام پر رکی اور دامن کوہ میں وہ غائب ہو گئیں۔

جرجی زیدان مصری آداب لغت عربیہ کی تیسری جلد میں نجفی نسابہ کی کتاب بحر الانساب کو بڑی اہم تصنیف قرار دیتے ہیں۔ بحر الانساب میں بھی یہی درج ہے کہ یزدجرد کی دوسری بیوہ لڑکی بھی امام حسین کے عقد میں آئی جو امام زین العابدین کی خالہ تھیں۔

نوک نیزہ پر سورہ کہف کی تلاوت کرنا:

امام مظلوم کا راہ کوفہ و شام میں تلاوت سورہ کہف کرنا فریقین نے بلا اختلاف روایت کیا ہے اور ارشاد امام کہ اصحاب کہف سے میری اسیری واردات زیادہ تعجب انگیز ہے۔ اس تمثیل کا پورا ہونا اسی وقت درست ہے جب ہم واقعہ کربلا میں بھی کسی کے دامن کوہ ہمیں پناہ لیتا ہوا پائیں۔ یہ بھی زیر نظر ہے کہ دقیانوس بادشاہ کے سو جانے پر بزم سے اٹھے اور محترمہ ہزاروں جاگتے ہوئے دشمنوں

کے نگاہوں کے سامنے سے چلیں مگر کوئی روک نہ سکا۔ واقعہ کربلا کو اصحاب کہف کی طرح عجیب تر بنانے کے لیے ہوسکتا ہے فرزند بوتراب امام مظلوم نے شب عاشور کی وسعت میں بی بیاں پاک دامناں کو طے فی الارض کے ذریعے بلاد ہند میں بھیجا فردا سیران کربلا میں وہ نہ تھی اور زور امامت سے بی بی شہر بانو جو دوبارہ اسیری پر راضی نہ تھیں کو زیر زمین ذوالجناح کے ذریعے کوہ رے پر پہنچا کر اپنی حکایت کو اصحاب کہف سے زیادہ پردرد بنا دیا۔ اصحاب کہف آرام کرنے والے فراد تھے اور یہ زیر زمین پہنچنے والی خاتون تھی اور پردہ دار اکیلی تھی جو اس سرگزشت کو زیادہ تعجب خیز بنا دیتی ہے۔

النساء المخفیہ:

سفرنامہ مطبوعہ سید تفضل حسین میں مقام تلہ زینبیہ پر درج زیارت نقل ہوتی ہے۔ جو یوں ہے۔

هذا المقام تله زينبيه. السلام عليک يا اباعبدالله السلام عليک يا بن مکه و منیٰ السلام عليک يا بن زمزم والصفا. السلام عليک و علی زينب التقيه و کلثوم رضيه وعلی سکينة المبنية والسلام عليک وفاطمه ورقيه والسلام عليک وعلی عاتقه وصيفه السلام علی النساء المخفيه السلام علی النبات الهاشميه السلام علی السادات العلويه السلام عليک جمعياً ورحمة الله وبرکاته.

یہ زیارت 1302 ہجری میں زیارت گاہ تلہ زینبیہ میں لکھی ہوئی آویزاں تھی۔ امتداد زمانہ اور مغربیت کے سیلاب میں آثار مذہب مٹتے گئے۔ تاریخ خود کو دہراتی ہے جبکہ قدرت کو ضد ہے کہ حسینیت مٹنے نہ پائے۔ اس لیے سلام ہو چھپی ہوئی (پوشیدہ) عورتوں پر اس سلام میں بی بی پاک دامن اور بی بی شہر بانو دونوں داخل ہیں۔

◆•◆•◆•◆•◆

حضرت شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کون

وقت کے بہتے دریا میں تین شمس الدین ابھرتے ہیں جو تبریزی کہلاتے ہیں۔ پہلے شمس الدین تبریزی مولانا روم کے استادگرامی ہیں جن کا مزار قونیہ میں ہے دوسرے شخص تبریزی اصل میں شمس عراقی ہیں جن کا روضہ کشمیر میں ہے اور ان کی وفات 924 ہجری میں ہوئی جبکہ تیسرے شمس تبریزی شمس الدین سبزواری ہیں۔ جن کا مزار ملتان میں ہے۔ چوتھے شمس الدین سبزواری جو کہ شاہ شمس سبزواری ملتان کی اولاد سے ہیں۔ان کا مزار الہ آباد (انڈیا) میں ہے۔عوامی حلقہ میں اس حوالہ سے حیرانی اور پریشانی پائی جاتی ہے کہ قونیہ والے شاہ شمس تبریز کون ہیں اور حضرت شاہ شمس تبریز ملتان والے کون ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ شاہ شمس تبریز جن کا مزار قونیہ میں ہے وہ مولانا رومؒ کے استادگرامی تھے۔جن کے بارے میں مولانا روم فرماتے ہیں۔

معنوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامے شمس تبریزی نہ شد

حضرت شمس تبریز وہ مرد عارف ہیں جنہوں نے مولانا روم کو معرفت کے اسرار رموز سے آگاہ کیا۔حضرت مولانا جلال الدین رومی کو حضرت شاہ شمس تبریزی سے بہت عقیدت مندی تھی اور روہ زیادہ تر حضرت شاہ شمس کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ایک مرتبہ مولانا روم اپنی کتب لیے ہوئے اپنے استاد کے پاس تشریف لائے وہ حوض پر بیٹھے ہوئے تھے۔حضرت شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سے پوچھا یہ کیا ہے۔مولانا نے کہا یہ قیل وقال ہیں۔این چیست کہ تو نمی دانم کہ یہ وہ چیز ہے جس کو آپ کو علم نہیں۔اس پر شاہ شمس نے تمام کتابیں تالاب میں پھینک دیں مولانا روم گھبرائے کہ اس میں

میرے والد بزرگوار کے اقوال تھے جن کا ملنا اب مشکل ہے۔ حضرت شاہ شمس تبریز نے تالاب میں ہاتھ ڈالا اور کتابیں پانی سے باہر نکال دیں۔ مولانا روم نے دیکھا کہ کتابیں بھیگی نہیں تھیں بلکہ خشک اور گرد اڑ رہی تھی۔ مولانا روم نے شاہ شمس سے پوچھا یہ کیا راز ہے۔ شاہ شمس تبریز نے فرمایا کہ اس کی تم کو خبر نہیں۔ مولانا روم یہ کشف و کرامات دیکھ کر شاہ شمس تبریز کے مرید ہو گئے۔ مولانا روم کو شاہ شمس تبریز نے باطنی علوم سے روشناس کرایا۔ کچھ عرصہ کے لیے شاہ شمس مولانا روم کو چھوڑ کر دمشق چلے آئے۔ مولانا روم نے ان کی جدائی میں کھانا پینا چھوڑ دیا۔ لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا پھر اپنے بیٹے سلطان کو دمشق بھیجا جو شاہ شمس تبریز کو واپس قونیہ لے آئے جب شاہ شمس تبریز کی کرامات کے چرچے ہوئے تو مولانا روم کے بیٹے علاؤالدین محمد نے چند لوگوں کو ساتھ ملا کر حضرت شاہ شمس تبریز کو 645 ہجری میں قتل کر دیا۔ آپ کا مزار قونیہ میں ہے۔

حضرت شمس تبریز کا کلام کتب خانوں میں موجود نہیں ہے۔ کلیات شمس تبریزی میں تمام کلام مولانا روم کا ہے جس میں مولانا روم نے شاہ شمس کے عشق میں غزلیات کہی ہیں۔ چونکہ مولانا روم کو ولایت مطلقہ کا حقیقی عرفان شمس تبریز کی صحبت سے حاصل ہوا۔ مندرجہ ذیل غزل حضرت شمس تبریز سے منسوب ہے اور مولانا روم کا کلام پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ غزل شاہ شمس تبریز کی ہے کیونکہ یہ لہجہ مولانا روم کی شاعری میں نہیں:

ساقی بادفا منمدم ہمہ دم علی علی — صوفی باصفا منم دم ہمہ دم علی علی
عاشق مرتضیٰ منمدم ہمہ دم علی علی — مطرب خوشنوا منمدم ہمہ دم علی علی
آدم باصفا توئیوسف مہ لقاتوئی — خضرہ خدا توئی دم ہمہ دم علی علی
عیسیٰ مریمی توئیاحمد ہاشمی توئی — شیر نر خدا توئی دم ہمہ دم علی علی
شمس شریعتم توئیپیر طریقتم توئی — حق بہ حقیقتم توئی دم ہمہ دم علی علی
شمس توئی قمرتوئیخیر توئی برتوئی — مالک خشک وتر توئی دم ہمہ دم علی علی
ھمدم سید البشرراجع شمس القمر — پدر شبیرو ھم شبردم ہمہ دم علی علی
سید سرور کرمگفتہ بہ تو اے ابن عم — لحمک لحمی دمک دمی دم ہمہ دم علی علی
آیہ انما برتتاج از لافتیٰ سرت — شمس غلام قنبرت..... دم ہمدم علی علی

دوسرے سید شمس الدین سبزواری ہیں جن کا مزار ملتان میں ہے۔ آپ کا شجرہ نسب چند پشتوں کے بعد حضرت امام جعفر صادقؑ سے جا ملتا ہے۔ آپ صوبہ خراسان کی بستی سبزوار میں پیدا 560ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید صلاح الدین گرم کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ سید صلاح الدین عالم و فاضل دیندار مبلغ تھے۔ فاطمیوں کے نقیب خاموشی کے ساتھ عالم اسلام میں پھیلائے گئے تھے۔ سید صلاح الدین کا خاندان کس داعی کے ساتھ سبزوار آیا پتہ نہیں چلتا۔ سید صلاح الدین نے فرزند گرامی کا نام شمس الدین رکھا آپ کا شجرہ کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے

امام جعفر صادقؑ ___ امام زادہ اسماعیل ___ سید محمد عریضی (نواز عریضی) ___ سید زید (اسماعیل ثانی) ___ سید معصوم شاہ (منصور شاہ خاقانی) ___ سید غالب الدین ___ سید عبد المجید ___ مستنصر باللہ ___ سید محمد ہادی ___ محمد ہاشم (مدفون یمن) ___ سید محمود سبزواری (مدفون لاہور) ___ سید محب مشتاق ___ سید خالد الدین ___ سید صلاح الدین (سلام الدین) ___ شمس الدین سبزواری (مدفون ملتان)۔

مناسب وقت پر شمس الدین کی تعلیم و تربیت کی فارسی و عربی میں سمجھ بوجھ کے بعد قرآن، حدیث تفسیر و فقہ کی طرف لائے۔ یوں ایمانیات عبادات و معاملات کی بنیادیں مضبوط کر کے شیعت کے ساتھ طریقت کو شامل کیا۔

تذکرۃ الاولیاء فرید الدین عطار میں ہے کہ سید صلاح الدین ایرانی صوفیائے کرام کی پیدا کردہ روحانی ہوا و فضا میں سانس لے رہے تھے۔ اندازہ ہے کہ سید صلاح الدین نے فرزند گرامی کو تعلیمات چہاردہ معصومین سے روشناس کرایا کیونکہ آخری فاطمی خلفاء اثناء عشری امامیہ مسلک رکھتے تھے۔ بعض مورخین شاہ شمس سبزواری ملتانی کو شاہ شمس اسماعیلی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت اسماعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں نہ کہ اسماعیلی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مولانا محمد سبطین اثناء عشری نے رسالہ البرہان بابت ماہ رجب المرجب 1340 ہجری کے صفحہ 25 پر ان کا کلام بیان کرتے ہیں۔

بجز اثناء عشر ہر کو امام و پیشوا دارد — نہ برقول خدا اقرار و نے بر مصطفیٰ دارد
ز بعد مصطفیٰ و مرتضیٰ شبیر و شبراں — شود ناجی ہر آں کو مقتدا زین العبادارد
ازاں چوں پیشوائے خویش آمد باقر و صادق — زبعد موسیٰ کاظم علی موسیٰ رضا دارد
نقی را باتقی و عسکری امام دانم خود — دل و جانم زنام پاک ایشاں صد صفا دارد
چہ غم اے شمس تبریزی ترا از آتش دوزخ — کہ چوں در دین احمد ہمچو مہدی پیشوا دارد
خداوند بحق چہاردہ معصومین دیں پرور — بہ بخشی کیں دل تبریز غیر از تو کرا دارد

ان اشعار سے آپ کا اثنا عشری ہونا ثابت ہے اور انہی کو پیشوا جانتے ہیں۔ اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ درگاہ عالیہ میں امام بارگاہ موجود ہے جہاں قدیم عرصہ سے مجالس امام حسین کا اہتمام ہوتا ہے۔ ہر جمعرات کو ہفتہ وار مجالس عزا برپا ہوتی ہے۔ بارہ اماموں کے حوالے سے دیگر تقاریب کا انعقاد ہوتا ہے۔ یہی دستور درگاہ بی بی پاک دامناں' درگاہا امام بری اور درگاہ لعل شہباز قلندر پر نافذ العمل ہے۔ بعض مورخین نے شاہ شمس تبریزی کو ملتان کی سرزمین پر عزاداری کا آغاز کرنے والا درج کیا ہے۔

سید صلاح الدین کا انتقال 665ھ میں ہوا۔ اس دور میں عالم اسلام مغلوں کے تابڑ توڑ حملوں کی وجہ سے زلزلہ میں آ گیا تھا۔ سید شمس الدین سبزوار سے نکلے اور 666 ہجری میں ملتان وارد ہوئے متاخرین تذکرہ نگاروں نے حکایت اولیاء سنائی۔

کہتے ہیں کہ بہاؤالدین زکریاؒ نے آپ کی آمد کی خبر پائی تو دودھ کا پیالہ لبالب بھیجا۔ مطلب یہ تھا کہ یہاں اہل اللہ کی بھیڑ بھاڑ ہے تمہاری گنجائش نہیں ہے۔ حضرت شمس الدین نے پیالہ دودھ پر گلاب کا پھول تیرا دیا اور اپنی گنجائش کا جواز دکھلایا۔

حضرت بہاؤالدین زکریا کے پوتے سے شاہ شمس کے گہرے روابط تھے۔ خطاب رکن الدین والعالم شاہ شمس کا عطا کردہ ہے۔ جو بعد ازاں شاہ رکن عالم بن گیا۔ تذکرہ نگاروں نے حکایات اولیاء میں ایک اور اضافہ کیا ہے۔

کہ سید شمس الدین نے جلادوں کو اپنی کھال اتار کر دے دی اب انہیں کوئی پاس پھٹکنے نہیں دیتا تھا۔ بھوک نے ستایا تو لب دریا آئے مچھلیاں ابھرنے لگیں۔ ایک مچھلی پکڑی مگر ملتانیوں نے اسے

بھوننے سے انکار کر دیا آپ نے سورج کو حکم دیا تپش بکن..... سورج سوا نیزے پر اتر آیا اور مچھلی بھون دی جسے آپ نے تناول فرمایا۔ اس وجہ سے ملتانی آپ کو تپ ریز (گرمی دینے والا) کہنے لگے بعد میں تپ ریز تت ریز تب ریز اور پھر تبریز ہوا۔ یوں حضرت شمس الدین سبزواری شمس تبریزی ہوئے۔ ملتان کی شدید گرمی اسی وجہ سے ہے ورنہ ملتان کی آب وہوا خوشگوار معتدل تھی۔

نوتعمیر سہ دری کی پیشانی پر آئمہ اہلبیت اطہار کے اسمائے گرامی لکھے گئے ہیں۔ بورڈ پر لکھا ہے ''کربلا دربار شاہ شمس تبریز''

مزار شریف کے چبوترے پر چھوٹا دروازہ ہے بورڈ پر لکھا ہے ''حضرت شمس الدین ولی سبزواری'' جبکہ مزار شریف کے اندر لکھا ہے حضرت شاہ شمس تبریز۔

یہ تضاد عوام کے لیے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ بعض مورخین نے اسی وجہ سے شمس الدین سبزواری کو ہی شمس الدین تبریزی مانا ہے جیسا کہ تاریخ انوار السادات المعروف گلستان فاطمہ میں لکھا ہے۔ کہ

''مخدوم سید شمس الدین تبریزی کی ولادت ماہ شعبان بقول ماہ رجب بروز جمعہ 560 میں شہر سبزوار میں ہوئی۔ علم وفضل وتقویٰ اور طہارت میں بے عدیل صاحب کرامت ہوئے..... جب آپ اپنے پدر بزرگوار صلاح الدین کے ہمراہ کشمیر وتبت بغرض دعوت اسلام تشریف لے گئے تو وہاں شمس الدین عراقی کہلائے اور جب عرصہ تک تبریز میں مقیم رہے تو سید شمس الدین تبریزی کہلائے۔ 675ھ میں وفات پائی مزار ملتان میں ہے۔''

لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ اس بات کا تاریخی شواہد کے لحاظ سے حقیقت کے ساتھ دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ حضرت شمس الدین سبزواری کا کسی طور پر بھی تبریز سے کوئی واسطہ نہ ہے۔ تبریز کہلانے کی وجہ وہی تپ ریز ہے جو بعد میں تبریز ہوگیا جبکہ شمس تبریزی مولانا روم کے استاد تھے جن کا مزار قونیہ میں آج بھی موجود ہے۔ اسی طرح شمس الدین عراقی اور ہیں جن کا مزار کشمیر میں ہے ان کا انتقال 924 ہجری میں ہوا۔

سید شمس الدین نے 11 برس ملتان میں تبلیغ کی اور 677ھ کو ملتان میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ حجرہ کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ قبر پر مقبرہ آپ کے پوتے سید صدر الدین نے تعمیر کرایا۔ سیٹھ

مہر دین نے عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا۔ رنجیت سنگھ کے دور میں سکھ گورنر ساون مل نے مسجد مقبرہ مسلمانوں سے چھین کر گردوارہ بنا دیا۔ مسجد گرنتھی کی جائے رہائش تھی۔ رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد مقبرہ بدستور گردوارہ رہا۔ ان سارے سکھا شاہی دور میں ملتان میں آواز اذان سنائی نہیں دی۔ نماز پنجگانہ نماز عید بقر فطر وغیرہ پر مکمل پابندی تھی۔ انگریزوں کے ملتان پر قبضہ کے بعد 1850 میں مقبرہ و مسجد مسلمانوں کو دے دی گئی۔ آپ کے صرف ایک ہی فرزند صاحب اولاد ہوئے جن کا نام نصر الدین ہے جو لاہور میں دفن ہیں۔ ان کی اولاد میں کبیر الدین کا مدفن اوچ شریف میں ہے اور صدر الدین ملتان میں۔ ان کی اولاد سے سید عالم پیدا ہوئے جن کو پیار سے جتو شاہ کہتے تھے اور ان کی قبر شاہ شمس کے برابر ہی ہے۔

◆•◆•◆•◆•◆

سحر (جادو) کی حقیقت

سحر جادو جسے شیطانی علم بھی کہتے ہیں۔ایسا علم جس کے ذریعے علم الٰہیہ میں دست درازی کی کوشش کی جائے اور لوگوں کی عقل پر پردہ ڈال کر مخلوق خدا کو بہکانے دھوکا دینے دلوں میں وسوسے ڈالنے' نقصان پہنچانے معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے' لوگوں کو بے وقوف بنا کر لوٹنے اور ان کی زندگیاں تباہ کرنے سے متعلق ہو۔علم ساحری یا جادو کہلاتا ہے۔

یہ علم ناجائز مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے سیکھا جاتا ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں لیکن کتب آسمانی میں اس کے بارے شواہد ملتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ

> پس جب ان لوگوں نے رسیاں پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور لوگوں کو ڈرایا اور وہ بڑا جادو لائے تھے۔(الاعراف 116)

انجیل میں بیان کیا گیا ہے کہ

> ..... کیونکہ تیرے سوداگر زمین کے امیر تھے اور تیری جادوگری سے سب قومیں گمراہ ہوگئیں اور نبیوں مقدسوں اور زمین کے او رمقتولوں کا خوف اس میں پایا گیا۔ (مکاشفہ 18:21-24)

جادو کی تاریخ

جادو کی تاریخ بہت پرانی ہے۔انسان جب غاروں میں زندگی بسر کر رہا تھا تو اس کے لیے ہر نئی چیز جادو بن جاتی تھی۔چاند گرہن ہو یا سورج گرہن عجیب وغریب باتیں تھیں جو لوگ ان کو جان لیتے تھے وہ اسے جادو کے طور پر استعمال کرتے اور لوگوں سے کہتے اگر تم نے میری بات نہ مانی تو

سورج کو کالا کر دوں گا۔ لوگوں کے لیے آگ کا روشن ہونا عجیب بات تھی لہٰذا جو لوگ جلا لیتا وہ جادوگر ہوتا تھا کیونکہ دنیا علم سے دور جہالت میں گری ہوئی تھی۔ قرآن مجید نے جادو کی اشاعت کا مرکز بابل کو بتایا ہے اور جادو پھیلانے کا ذریعہ ہاروت و ماروت کو قرار دیا ہے۔ بابل عراق کا ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ عراق کا دوسرا نام کالڈیا (کلدانیہ) بھی ہے اور انگریزی زبان میں لفظ کالڈین آج بھی جادو اور جادوگروں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عراق سے یہ علم ایران میں منتقل ہوا چونکہ ایران اس کا ہمسایہ ملک تھا۔

ایران میں مگ یا مگائی 591 قبل مسیح سے موجود تھے یہ جادوگر یا سمجھدار انسانوں کے طور پر مشہور تھے۔ خوابوں کی تعبیر اور علم نجوم کے ماہر تھے۔ ہندوستان میں جادو کا علم انہی مگائی قوم کی وجہ سے پہنچا جب سری کرشن کا بیٹا سام جذام کے مرض میں مبتلا ہوا تو اس کے علاج کے لیے انہیں بلوایا گیا لہٰذا ایران سے مگ قوم کے آدمی آئے جنہوں نے سورج کی پرستش کروائی جس سے اس کی بیماری ٹھیک ہوگئی۔ اپنی صحت یابی پر سام نے ملتان میں سورج مندر بنوایا۔ اس طرح مگ قوم ہندوستان میں آباد ہوئی۔ سنسکرت میں جادو کو ماگی گگ کہتے ہیں یعنی مگ قوم کا علم انگریزی میں یہی لفظ بگڑ کر میگ سے میجک بن گیا۔ عراق سے ہی یہ جادو مصر تک پہنچا مصریوں کی ایک دیوی آئسس جادو کی دیوی کہلاتی تھی اور تھوتھو سب سے زیادہ طاقتور جادوگر کے نام سے جانا جاتا تھا۔ مصری جادو میں بڑے ماہر تھے۔ موسیٰ نبی کے دور میں فرعون کا دعویٰ خدائی صرف جادو کی بنیاد پر تھا۔ جادو ہی سے سامری نے بچھڑے کی پوجا شروع کروائی تھی۔ اسرائیل (فلسطین) میں جادو حضرت سلیمان کے دور سے پھیلا جب ان کی وفات کے بعد ان کے تخت کے نیچے سے کتاب برآمد کی گئی۔ یہ جادو کی کتاب حضرت سلیمان نے شیطانوں سے چھین کر اپنے تخت کے نیچے دفن کر دی تھی۔ لوگوں نے دوبارہ اس کو نکال کر اس پر عمل شروع کر دیا۔ عرب میں جادو کا رواج تھا اور اس کا ثبوت ہے کہ یہودیوں کا حضور اکرم ﷺ پر جادو کرنے کی کوشش کرنا لیکن یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ یہودیوں نے آپ پر جادو کیا ہوگا جب آپ کو قتل کرنے کی ترکیبیں کی گئیں تو جادو بھی ضرور کیا گیا ہوگا لیکن اس جادو کا حضور ﷺ پر اثر انداز ہونا ناممکنات میں سے ہے کیونکہ جس نبی کے نام کی برکت سے آج کا ہر جادو کا اثر ختم ہو جاتا ہو اس نبی پر خود جادو کا اثر نہیں ہو سکتا۔

جادو کی اقسام:

1- کبالہ:

یہودیوں کی کتاب تالمود میں لکھا ہے کہ جادو کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم برے منتر، جادوئی دعائیں روحوں کی مدد سے مردوں کو زندہ کرنا شامل ہے۔ ان سب کاموں کی سزا بھی بتائی گئی ہے جو یہ کام کرے اس کو قتل کیا جائے۔ دوسری قسم میں روحوں کی مدد سے کچھ دوسرے کام کیے جاتے ہیں تیسری قسم میں نجوم کا علم اور کچھ پست روحوں سے رابطہ کیا جاتا ہے۔

2- کہانت:

کہانت کا علم رکھنے والا کاہن کہلاتا ہے۔ جو ماضی اور مستقبل کے خفیہ واقعات کی خبر دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے کاہنوں نے فرعون کو خبر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کا خاتمہ کرے گا یہ سن کر فرعون کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دو لیکن جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کاہن اپنے علم سے مستقبل کی باتیں معلوم کر سکتے ہیں لیکن اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس سلسلے میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کاہن اور کہانت کے لیے کاہن کے پاس جانے والا دونوں محمد ﷺ کے دین سے خارج ہیں۔ امام صادقؑ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی ولادت کے بعد شیطانوں اور جنوں کا آسمان پر جانا بند ہو گیا اب وہ آسمانی معاملات کی خبر نہیں دے سکتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مستقبل کی خبر دیتے ہیں تو اس میں برا ہی کیا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے ہمارا فائدہ مستقبل کہ بارے میں نہ جاننے سے ہے کیونکہ مستقبل کو ہم بدل نہیں سکتے تو معلوم کرنے کا فائدہ کیا ہے۔ دوسرا اس کے معلوم ہونے سے فرعون کی طرح بچوں کو قتل کروا کر مستقبل بدلنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ کاہن خبر تو دے سکتا ہے اس کا علاج مہیا نہیں کر سکتا ہے لیکن معاشرے میں نقصان کا باعث بنتا ہے۔ مستقبل محفوظ رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے اللہ کی بارگاہ میں دعا اور صدقہ دیا جائے۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مستقبل چھپا کر رکھا ہے ورنہ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ اس کا

کل ایکسیڈنٹ ہو۔ ایک ماہ بعد وہ مر جائے گا یا اس کا فلاں نقصان ہوگا تو اس پر کیا بیتے گی کیونکہ مستقبل وہ بدل نہیں سکتا ہے۔

چنانچہ کہانت میں درج ذیل علوم آتے ہیں۔

(i) دست شناسی:

اس علم کے ذریعے ہاتھ کی لکیروں کی مدد سے مستقبل کے بارے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ علم مشرق سے مغرب کی طرف منتقل ہوا سترہویں صدی میں جرمنی میں اس کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ تقریباً چار ہزار سال پہلے ہندوؤں کے ویدوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ برطانیہ میں اس علم پر پابندی لگا دی گئی ہے۔

(ii) کھوپڑی کا علم:

ڈاکٹر فرائز جوزوف گال نے آج سے دوصدی قبل اس علم کی ابتداء کی جو آسٹریا کے شہر ویانا میں رہنے والا تھا۔ اس علم میں انگلیوں سے کھوپڑی کو ٹٹول کر انسان کے مستقبل کی طرف پیشگوئی کی جاتی ہے۔

(iii) پانسوں میں قیمت:

اسلام سے پہلے دنیائے عرب میں تیروں کو پانسوں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ جوا کھیلنے کے لیے بھی اس کو کام میں لایا جاتا رہا ہے۔ قرآن نے اس کو شیطانی کام کہا ہے۔

(iv) ٹیرٹ کارڈز:

قدیم مصری جادوگروں نے اس علم کو عروج دیا۔ ایک علم ایک کارڈز کی گدی پر مشتمل ہوتا ہے جس کو شیطان کی تصویری کتاب کہا جاتا ہے۔ اس گڈی میں 78 کارڈز ہوتے ہیں جس میں 56 چھوٹے آرکینا 22 بڑے آرکینا کہلاتے ہیں۔ جن کے ذریعے قسمت کا حال بتایا جاتا ہے۔ تاش کے پتے بھی ٹیرٹ کارڈز سے ہی نکلے ہیں۔

(v) چائے کی پیالی میں قسمت:

چائے کی پیالی کے ذریعے بھی مستقبل کے بارے میں پیشگوئی کی جاتی ہے۔

(vi) آئی چنگ:

یہ چینی کتاب ہے جس کے بعض حصے کنفیوشس نے لکھے اس کتاب کے ذریعے مستقبل جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(vii) تختیوں میں قسمت:

فال نکالنے کا یہ بہت پرانا طریقہ ہے جس میں مختلف تختیوں یعنی ابوالحول کی تختی چاند کی تختی مریخ کی تختی زہرہ کی تختی وغیرہ استعمال ہوتی ہیں۔

(viii) اعداد کے ذریعے قسمت کا حال:

فیثا غورث ایک ریاضی داں تھا۔ اس کے مطابق اس کائنات پر اعداد کی حکمرانی ہے۔ جن میں بنیادی عدد ایک سے لے کر نو تک ہیں جو انسان کی شخصیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

3- کالا جادو:

ہندوؤں نے اس جادو کی کئی قسمیں بتائی ہیں۔

(i) کنڈلینی کا سفر (ii) اگھور جادو (iii) راج یوگ۔

اس کو سیکھنے کے لیے مندرجہ ذیل مشقوں کی ضرورت ہے۔

(i) یم یعنی ارتکاز توجہ (ii) نیم اصولوں کی پابندی (iii) آسن بیٹھنے کا طریقہ (iv) پرانایام سانس روکنا (v) پرتیاہار سانس پلٹانا۔

جب انسان ان تمام مشقوں سے گزرتا ہے تو اس میں آٹھ خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

(i) انڑی ما (چھوٹا ہو کر غائب ہونا) (ii) مہی ما (بہت لمبا ہونا) (iii) لگی ما (ہوا سے ہلکا ہونا) (iv) گری ما (بہت موٹا ہونا) (v) پرایتی ما (ہمزاد جنوں کے ذریعے کام کروانا) (vi) پراکامی ما (پھیل

سکنا) (vii) ایشت (ہر چیز کو قابو کر کے غلام بنانا) (viii) ترویشو (ہر چیز کا علم بیٹھے بیٹھے پتہ لگالینا)۔

4- طلسمات یا ہیمیا:

نچلی دنیا (سفلی) میں اور اوپری دنیا (علوی) کی قوتیں ملانے کی کیفیت پر بحث کرتا ہے۔
اس سلسلے میں سامری کا بنایا ہوا بچھڑا بھی آتا ہے جو اس نے جبرائیل فرشتے کے گھوڑے کی قدم کی خاک اٹھا کر بچھڑے میں ڈالی تھی۔

5- ٹیمیا یا تسخیرات:

اس علم کے ذریعے مختلف روحوں جنوں یا شیطان سے رابطہ کر کے ان پر قابو پایا جاتا ہے اور مختلف کام ان سے لیے جاتے ہیں یعنی ایسے منتر پڑھ کر کسی مخلوق کو حاضر کر لینا۔ مثلاً کسی ایسے مکان میں بیٹھ جائیں جس میں آپ کے علاوہ اور کوئی نہ ہو سارے کپڑے اتار دیں پدم آسن میں بیٹھ جائیں اور اکیس دن تک 10 ہزار دفعہ پڑھیں۔ اوم ھرینگ نکھ کیشی کنک وتی سواھا تو یکھنی دیوی حاضر ہو جائے گی جو آپ کی خواہش کو پورا کرے گی۔

6- سیمیا:

قدرتی اشیاء سے عجیب وغریب کام لینے کے لیے ارادی قوت کو مادی قوت کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ یہ قوت ضبط نفس اور کم کھانے پینے سے پیدا ہوتی ہے۔

7- علم نجوم:

ستاروں کی حرکات معلوم کر کے ان کے ذریعے قسمت کا حال بتانا علم نجوم کہلاتا ہے۔ جنگ نہروان کے دوران مولا علی نے نجومیوں کی مذمت کی ہے اور جھوٹا کہا ہے۔

8- ریمیا:

سائنسی اصولوں کے مطابق چیزیں بنا کر لوگوں کو حیران کرنا پرانے لوگ اس کو جادو سمجھ لیتے تھے۔

جادو کا سیکھنا کفر ہے:

قرآن مجید میں بار بار جادو کو کفر کے نام سے یاد کیا ہے۔ سورہ الناس انہی کی رد میں آئی جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتے ہیں اور گنڈوں پر پھونک مارنے والیوں کی برائی سے بچا۔

1- اور سلیمان نے کفر نہیں کیا (یعنی انہوں نے کسی کو جادو نہیں سکھایا) لیکن یہ شیطانوں کا کفر تھا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ (سورہ بقرہ)

2- وہ دونوں (ہاروت اور ماروت) کسی کو کچھ نہ سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ تم امتحان کا ذریعہ ہیں تو کفر مت کرو۔ (سورہ بقرہ)

قرآن میں جادوگر کو آخرت سے محروم قرار دیا گیا ہے۔

اور وہ خوب جانتے ہیں اس (جادو) کے لیے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ (سورہ بقرہ)

قرآن مجید میں جادو کو نقصان بتایا گیا ہے۔

یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو خود انہیں نقصان پہنچائے اور فائدہ نہ دے سکے۔ (سورہ بقرہ)

جادوگر دنیا میں ناکام و نامراد ہوتا ہے۔

اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتا کچھ بھی کرے۔ (سورہ طٰہٰ)

موسیٰ نے کہا جو تم لائے ہو وہ جادو ہے اللہ اس کو بیکار کر دے گا۔ (سورہ یونس)

احادیث میں جادو سیکھنے کو شریعت کا منکر بتایا گیا ہے

جو آدمی کسی جادوگر کاہن نجومی اور فال نکالنے کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کے بارے پوچھا تو اس نے شریعت کا انکار کیا۔ چالیس دن اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم)

سفینۃ البحار میں کاہن نجومی کے پاس جانے والے کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے جادو کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں جس نے تھوڑا سا بھی جادو سیکھا وہ کافر ہو گیا۔ خلیفہ ثانیؓ نے ایک فرمان میں لکھا ہے کہ ہر جادوگر مرد و عورت قتل کر دو۔

جادو کا توڑ:

جادو کے توڑ کے لیے پاکیزہ علم کی ضرورت ہے یعنی مناجات، دعائیں، عبادات قرآن کی آیات۔ اسم اعظم اور متبرک ہستیوں کے نام کے ذریعے جادو کا توڑ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ امام جعفر صادقؑ کے قول کے مطابق علم جفر کے ذریعے جادو کا توڑ کیا جا سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ سورہ یٰسین دن میں پڑھنے سے رات محفوظ ہو جائے گی اور روزی دی جائے گی اگر سورہ یٰسین رات کو پڑھی جائے تو ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ آیت الکرسی کی تلاوت سانپ بچھو کا تعویذ ہے۔ سوتے وقت پڑھنے سے فالج نہیں ہوتا ہے۔ وغیرہ

معجزہ اور جادو میں فرق:

بعض لوگ جادو اور معجزہ کو ایک ہی سمجھ لیتے ہیں لیکن ان میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

1- معجزہ وہبی ہوتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ کا جھولے میں بولنا حضرت علیؑ کا گود میں قرآن پڑھنا جبکہ جادو کسبی ہوتا ہے سیکھنے سے ہوتا ہے۔

2- معجزہ کا توڑ نہیں ہوتا تبھی حضرت موسیٰ کے معجزہ کا توڑ جادوگروں کے پاس نہیں تھا جبکہ جادو کا توڑ ہے۔

3- معجزہ ہدایت دینے کے لیے ہوتا ہے جبکہ جادو گمراہ کرنے کے لیے یہ استعمال ہوتا ہے۔

تعویذ کی شرعی حیثیت:

بہت سے لوگوں تعویذوں کو مہمل سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس بداعتقادی کی وجہ نااہل لوگوں نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے ورنہ ہر وہ تعویذ جو سورتوں آیتوں مبارک ناموں اور دعاؤں کی صورت میں تحریر کیے جاتے ہیں ان کے خواص و اثرات معصومین علم اسلام سے منقول ہیں اور ہر قسم کے جادو ٹونے کے خاتمے اور پریشانیوں تکلیفوں نظر بد مصیبتوں سے بچاؤ میں اپنا اثر رکھتے ہیں۔ اصول کافی میں علامہ کلینی باب حرز تعویذ میں رسول اللہ کا امام حسن و حسین کو نظر بد سے بچانے اور

حاسد کی نظروں سے محفوظ رکھنے کے لیے تعویذ باندھا جبکہ بحارالانوار میں دم کرنا لکھا ہے۔ اصول کافی میں امام محمد باقر سے ایک شخص نے بچوں کی مرگی کے لیے تعویذ مانگا آپ نے اس کو دو تعویذ کر کے دیئے۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپ نے عبداللہ ابن سنان سے فرمایا دم کرنے تعویذ کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ یہ قرآنی آیات پر مشتمل ہو جس کو قران شفا نہ دے گا اس کو اللہ تعالیٰ شفا نہ دے گا۔ مدینہ المعاجز میں علامہ سید ہاشم بحرانی نے درج کیا ہے کہ امام حسنؑ نے شہزادہ قاسم کو جنگ میں اجازت کے لیے تعویذ باندھا تھا۔

لیکن تعویذ کروانے کے معاملے میں احتیاط کرنی چاہیے کیونکہ اس وقت بہت سے بدکار غیر صالح فریبی افراد نے اس کام کو ذریعہ معاش بنایا ہوا ہے۔ جن سے تعویذ وغیرہ لینا غلط ہے۔ علامہ سید حسن ظفر اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں کہ تعویذ لکھنا دم کرنا ایسی چیزیں اثر رکھتی ہیں جب لکھنے والا تحریر کرنے والا نفس ذکیہ کا مالک اور متقی ہو۔ جادوگر نہ ہو۔

نظر بد کی حقیقت:

اس مسئلہ میں عقلی اعتبار سے کوئی امر محال نہیں ہے کیونکہ موجودہ دور کے ماہرین بتاتے ہیں کہ بعض آنکھوں میں ایک خاص قسم کی مقناطیسی قوت چھپی ہوتی ہے جو بہت سارے کام کر سکتی ہے۔ یہاں تک کہ مشق کے ذریعے اس کی پرورش ہو سکتی ہے مثلاً شمع بینی کے ذریعے یہ مقناطیسی قوت حاصل کی جا سکتی ہے۔ آنکھوں کی اس مقناطیسی قوت کے ذریعے دوسرے آدمی پر مقناطیسی نیند طاری کی جاتی ہے جس دنیا میں لیزر شعاعیں جو غیر مرئی ہیں ایسا کام کر سکتی ہیں جو کسی خطرناک یا تباہ کن ہتھیار سے بھی نہیں ہو سکتا تو بعض آنکھوں میں ایسی قوت کے وجود کو تسلیم کر لینا جو مخصوص لہروں کے ذریعے دوسروں پر اثر انداز ہو سکے کوئی عجب چیز نہیں ہوگی۔

تاریخ میں آپ کو بہت سے ایسے افراد ملیں گے جو آنکھ کی اس مرموز توانائی کے حامل تھے اور انہوں نے نہ صرف لوگوں بلکہ جانوروں اور دیگر کئی چیزوں کو اس خفیہ طاقت کے ذریعے بے کار کر دیا تھا۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا نظر بد سے اللہ کی پناہ طلب کرو چونکہ نظر بد کا لگنا حق ہے۔ (ہدیۃ الشیعہ) نہج البلاغہ میں حکمت 400 میں امیر المومنین فرماتے ہیں "چشم بد، افسوں سحر اور نیک فال ان سب میں واقعیت ہے۔"

چنانچہ اسما بنت عمیس نے حضرت نبی اکرم ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ بنو جعفر کو نظر بد لگ جاتی ہے کیا میں ان کے لیے رقعہ (تعویذ) لے لوں حضور ﷺ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔
معارج میں حضرت سلمان محمدی کا نظر بد کی وجہ سے بیمار ہونا اور حضور ﷺ کا نظر بد کے لیے ان کا علاج کرنا جس سے نظر بد کا اثر زائل ہو جائے موجود ہے۔

نظر بد سے بچنے کے لیے:

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جب کسی کو یہ خوف ہو کہ نظر بد لگ جائے گی تو تین مرتبہ پڑھے۔ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حکومت پاکستان سے گزارش اپیل:

ہمارے ملک میں اس وقت عاملین سفلی اور کالے علم کے بڑے جادوگر بے تاج بادشاہت کر رہے ہیں اور ہر طبقہ ہائے زندگی کے افراد ان سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں موجود عاملوں نے پیر فقیر اور درویش کا روپ دھار لیا ہے جبکہ فقیری یا علم عرفان میں شعبدہ بازی جادوگری عملیات باطلہ کی قطعاً گنجائش نہیں علم و عرفان سخت ریاضت اور نفس کشی کا نام ہے اہل عرفا کے پاس جانے سے تزکیہ نفس روحانی علاج اور تعلیم و تربیت ہوتی ہے اور تمام جادو ٹونے کا خاتمہ ہو جاتا ہے جس میں ان کا مادی لالچ شامل نہیں ہوتا ہے جبکہ جعلی پیر فقیر معصوم لوگوں کو لوٹنے کے لیے فوری کہہ دیتے ہیں کہ تم پر جادو کیا گیا ہے بلکہ یہاں تک بتا دیا جاتا ہے کہ تم پر جادو تمہارے رشتہ داروں نے کہا ہے اور وہ بے چارہ خواہ مخواہ اپنے رشتہ داروں کو دشمن سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اس فریب کا مقصد وہی ہے کہ آپ ان سے جادو کا توڑ کروائیں اور وہ اس کے بدلے آپ سے پیسوں کا مطالبہ کر سکیں۔ عامل حضرات لوگوں کی نفسیات کو خوب جانتے ہیں اور ان کی نفسیات سے خوب کھیلتے ہیں۔ جن میں آج کل خواتین جادوگر بھی شامل ہیں ان عاملوں کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ پانچ منٹ میں بندے مروا دیتے ہیں۔ دشمن کو فنا کر دیتے ہیں۔ محبوب کو قدموں میں لا سکتے ہیں۔ امتحان میں کامیابی کاروبار میں ترقی دلا دیتے ہیں۔ یہ اپنے جادو کے لیے دھاگہ کپڑے کا ٹکڑا کھانے کی چیز و تصویر وغیرہ کے ذریعے لوگوں کو پریشان کرتے ہیں اور عام تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ قریبی رشتہ دار یا ساتھی نے حسد کی وجہ سے کالا

جادو کرایا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان عاملوں کی زیادہ تر گاہک خواتین ہوتی ہیں کیونکہ خواتین بہت جذباتی اور ضعیف العقیدہ ہوتی ہے وہ ان کے دام میں آسانی سے پھنس جاتی ہیں اور بعض خوبرو خواتین ان کے جھانسے میں آکر اپنی عزت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں وہ نفسیاتی طور پر اس انداز سے خواتین سے ہمدردی جتاتے ہیں کہ خواتین ان کے قدموں میں گر جاتی ہیں پھر عاملوں کے لیے کام آسان ہو جاتا ہے کیونکہ خواتین کی خواہش ہوتی ہے شوہر مکمل قابو میں رہے سانس چاہتی ہے کہ بیٹا بہو میرے غلام رہیں یا ان میں طلاق ہو جائے یا میاں بیوی میں جھگڑا ہو جائے فلاں کا رشتہ ٹوٹ جائے۔ فلاں جگہ شادی ہو بیمار ہو جائے وغیرہ وغیرہ پھر ساس بہو ماں ایسے عاملوں کی تلاش میں نکلتی ہیں جو ان کی خواہشات کو پورا کروائے۔ یہ عامل جعلی پیر جادوگر AIR SEVINCER کے اوپر اگربتی کے اوپر شکر یا دیگر چیزوں پر طلسم کر کے دیتے ہیں۔ ایک ماہر نفسیات نے بتایا کہ یہ ہر آدمی کے لیے الگ حربہ استعمال کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھے کہ اسے خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ رشتہ کا مسترد ہونا' خون کے چھینٹے' کاروبار میں نقصان' چھت پر کیلیں گاڑنا' گھریلو جھگڑے' اولاد نہ ہونا' بیماریوں تکلیفوں کا حد سے تجاوز کرنا لوگوں کو ان کے قریب لاتا ہے اور ان کے جادو منتر جو کہ ہمیشہ قبر کی مٹی شمشان گھاٹ کی راکھ جانوروں کا خون جانوروں کا دل کلیجہ مختلف درختوں کے پتے مختلف گھروں کا پانی وغیرہ پر پڑھ کر نہ جانے کتنے معصوم لوگوں کی زندگیوں کو تباہ کر چکے ہیں اور جو بچ گئے ہیں ان کو تباہ کر رہے ہیں۔ میری حکومت پاکستان سے پرزور اپیل ہے کہ خدارا ان مشرکوں سے ہمارے ملک کو نجات دلائیں۔ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے کاموں میں دخل دے سکتے ہیں کیونکہ اسلامی اعتبار سے یہ لوگ کافر اور واجب القتل ہیں۔ اللہ نے ہر قسم کے کاہن مستقبل کے بارے بتانے والی کالے جادو کے ماہر نجومی وغیرہ کی مذمت کی ہے اور ان کو اسلام سے خارج تسلیم کیا ہے۔ یہ ظالم افراد معصوم بچوں اور ان کے ماں باپ کا اپنی شیطانی چالوں سے خون کر چکے ہیں کئی گھروں کا سکون شک کا بیج بو کر تباہ کر چکے ہیں۔ ایسے سخت ترین قوانین بنائے جائیں اور سخت پابندی لگائی جائے اور دعویٰ کرنے والے جادوگروں عاملوں کو موت کی سزا دی جائے تاکہ یہ آئندہ کسی کا گھر نہ اجاڑ سکیں۔

◆•◆•◆•◆•◆

حقائق بیان طلب جلد دوئم (زیر طبع)

(1) سادات حسنی

(2) بیعت کا تصور

(3) تاریخ تبرئی

(4) ختنہ کا سائنسی تجزیہ

(5) تاریخ علم

(6) حلالہ کیا ہے

(7) زعفر جن

(8) زنجیر زنی

(9) تصوف وعرفان

(10) عزاداری اور ملکی قوانین

(11) اہل قبور سے توسل

(12) تعداد اولاد امام حسینؑ

(13) روزہ افطار کرنے کا وقت

(14) مسلہ شفاعت

(15) تاریخ تعزیہ داری

مؤلف کی دیگر کتب

الحمد ملکی ملکون (جلد اول)

الحمد ملکی ملکون (جلد دوم) زیر طبع

نظریہ ارتقاء اور اسلام

حقائق بیان طالب (جلد اول)

حقائق بیان طالب (جلد دوم) زیر طبع